قبلہ کا کردار

امت کی تشکیل میں

ڈاکٹر صلاح الدین عبدالحلیم سلطان

ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	:	قبلہ کا کردار امت کی تشکیل میں
مصنف	:	ڈاکٹر صلاح الدین عبدالحلیم سلطان
مترجم	:	ابوالاعلی سید سبحانی
صفحات	:	۸۷
سن طباعت	:	مارچ ۲۰۱۳ء
قیمت	:	۸۰ روپئے

ناشر

ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی
۱۶۱-ایف، بیسمنٹ، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر: ۹۷۰۸
جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵
فون: 011-26981327

ای میل: ifapublication@gmail.com

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

پیش لفظ	۷
حرف اولیں	۹
مقدمہ	۱۰
باب اول: تحویل قبلہ: مومنین کی اطاعت اور اغیار کا شور و ہنگامہ	۱۵
اول: قبلہ اور اہل قبلہ کے خلاف جنگ	//
ثانی: آیات قرآنی کا سیاق اور تحویل قبلہ کے تعلق سے یہود، منافقین اور مشرکین کا رویہ	۲۶
باب دوم: ہمارا قبلہ اور جامد و متحرک امت کے خصائص	۳۵
فصل اول: تحویل قبلہ کی آیات میں متحرک امت کے خصائص	//
اول: متحرک امت ایک متحد امت ہوتی ہے	۳۶
دوم: یہ علمی سبقت رکھنے والی امت ہوتی ہے	۳۷
سوم: اس کے پاس تزکیہ کا اپنا ایک مکمل نظام ہوتا ہے	۳۸
چہارم: یہ آزاد اور خود مختار ہوتی ہے	۳۹
فصل ثانی: جامد امت کے خصائص	۴۱
اول: جامد امت کا عقیدہ فاسد ہوتا ہے	//
دوم: ان کی عقلیں جمود کا شکار ہوتی ہیں	۴۳
سوم: ان کے دل سخت ہوتے ہیں	//
چہارم: یہ ایک منتشر امت ہوتی ہے	۴۴

باب سوم: ہمارا قبلہ اور جمود سے ارتقاء کی طرف ۴۹
اول: قبلہ توحید خالص کی علامت بن جائے ۵۰
دوم: قبلہ مضبوط وحدت کی علامت بن جائے ۵۴
سوم: قبلہ امن وامان کی علامت بن جائے ۶۱
چہارم: قبلہ وسطیت اور اعتدال کی علامت بن جائے ۶۳
۱۔عقیدہ میں ۶۵
۲۔اخلاق میں ۶۸
۳۔شریعت میں ۶۹
پنجم: قبلہ ایک علامت بن جائے اسلامی مقدسات کے سلسلہ میں ذمہ داریوں کے تعلق سے ۷۰
خلاصہ کلام ۷۳
ضمیمہ ۷۵

☆☆☆

پیش لفظ

امت کی اجتماعیت اور وحدت کو برقرار رکھنے کے لئے کچھ ایسے شعائر اور علامات کی ضرورت ہے، جس میں کوئی اختلاف اور امت کے مختلف طبقات کے درمیان کوئی فرق نہ ہو، جو ان کو ایک قدر مشترک پر متحد رکھے اور جو ان کی شناخت بن جائے، ایسی ہی علامات میں ایک ''قبلہ'' ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان ہونے کی علامت یہ قرار دی کہ کوئی شخص مسلمانوں کی طرف نماز پڑھے، مسلمانوں کے قبلہ کی طرف رخ کرے اور مسلمانوں کے ذبیحہ کو حلال سمجھ کر کھائے۔

قبلہ نہ ایک طرف خدا کی توحید کی طرف دعوت دیتا ہے؛ کیونکہ قبلہ کی طرف رخ کرنے میں اصل مقصود اللہ کی طرف رخ کرنا ہے، اِنی وجہت وجہی للذی فطر السماوات والأرض، بندہ مومن خدا کی طرف متوجہ ہوکر تمام مخلوقات سے اپنی توجہ ہٹا لیتا ہے اور اقرار کرتا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات عبادت کے لائق ہے۔ دوسری طرف یہ امت کی وحدت کا راز ہے؛ کیونکہ جب مسلمان نماز ادا کرتے ہیں تو کالے گورے، عالم جاہل، اور دولت مند وغریب کا فرق کئے بغیر ایک ہی سمت میں اپنا رخ رکھتے ہیں، یہ بات ہر مسلمان کو ایک آفاقی وحدت اور عالمگیر اجتماعیت کا حصہ بنا دیتی ہے۔

''قبلہ'' ہمارا رشتہ اللہ کے ان منتخب نیک بندوں سے بھی جوڑتا ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا، کیونکہ مسجد نبوی سے پہلے انبیاء کی تعمیر کی ہوئی دو مسجد میں تھیں، ایک کعبۃ اللہ جس کی تعمیر اور اس تعمیر کی تجدید حضرت آدم حضرت ابراہیم واسماعیلؑ اور خاتم النبیین حضرت

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے، اور بیت المقدس جس کی تعمیر انبیاء بنی اسرائیل کے ہاتھ ہوئی ہے، مسلمانوں کا قبلہ اور آخر الذکر مقدس مسجد کو بنایا گیا اور دوسرا قبلہ - جو قیامت تک باقی رہے گا - کعبۃ اللہ کو بنایا گیا، اس طرح اس امت کو دوہری سعادت بخشی گئی، مگر افسوس کہ اس کے قبلۂ اول پر غاصب یہودیوں کا قبلہ ہے، اللہ تعالیٰ جلد سے جلد اس کی آزادی کا فیصلہ فرمائیں۔

جناب ڈاکٹر صلاح الدین عبدالحلیم سلطان ایسی شخصیت ہیں، جن میں جذبۂ تحقیق اور جذبۂ جہاد دونوں جمع ہیں؛ حالانکہ عام طور پر یہ دونوں جہتیں ایک شخص میں جمع نہیں ہو پاتیں، ان کی تقریر و تحریر دونوں میں داعیانہ سوز بھی ہوتا ہے اور مجاہدانہ حرارت بھی، ان کی تالیفات ''تحقیق برائے تحقیق'' کے تحت وجود میں نہیں آتیں؛ بلکہ ان میں امت کے لئے ایک پیغام ہوتا ہے اور وقت کے تقاضوں سے ہم آہنگ دعوت ہوتی ہے، ان کی یہ تالیف بھی ان کے اس نہج کی بہترین مثال ہے، جس میں تعیین قبلہ کی حکمت و مصلحت، وحدت امت کے باب میں اس کا کردار اور اسلامی مقدسات کے بارے میں امت کی ذمہ داریوں پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ قبلہ اول سے متعلق فراموش کردہ تاریخ کی طرف بھی مسلمانوں کو متوجہ کیا گیا ہے۔

اکیڈمی کے لئے باعث مسرت ہے کہ اس نے اس کو اردو کا پیکر عطا کیا اور اب اسے قارئین کی بارگاہ تک پہونچا رہی ہے، دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے امت کے لئے نافع بنائیں اور مقامات مقدسہ کی یہود و نصاریٰ اور مشرکین سے حفاظت ہو۔ ربنا تقبل منا إنک أنت السميع العليم۔

۳؍ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ — خالد سیف اللہ رحمانی

۱۴؍فروری ۲۰۱۳ء

حرف اولیں

قبلہ اول (مسجد اقصی) اور قبلہ ثانی (کعبہ معظّمہ) یہود اور مشرکین و منافقین کی جانب سے مستقل سازشوں کی زد میں ہیں، اور قرآن وحدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت تک سازشوں کا یہ سلسلہ قائم رہے گا۔ چونکہ قرآن مجید نے تحویل قبلہ کے ساتھ ہی ساتھ اس امت کا بھی ذکر کیا ہے جس کا کام لوگوں پر گواہی دینا ہے، لہٰذا اس کتاب میں کوشش کی گئی ہے کہ ایک متحرک امت کی بنیادی خصوصیات پر روشنی ڈالی جائے، جس کا عقیدہ توحید پر مبنی ہوتا ہے، جس کے اندر اتحاد اور یکجہتی پائی جاتی ہے، جو عملی میدان میں نمایاں مقام رکھتی ہے، جس کے یہاں تزکیہ وتربیت کا مکمل نظام پایا جاتا ہے، اور جو کھانے پینے، امن وچین سے گزر بسر کرنے، اور اپنے فیصلوں اور ارادوں میں خود مختار اور آزاد ہوتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ جمود کی شکار امت کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ اس کے عقائد میں بگاڑ پایا جاتا ہے، اس کی عقلیں جمود کا شکار ہوتی ہیں، دل سخت ہوتے ہیں، اور اعضاء وجوارح صحیح رخ پر کام کرنا بند کر دیتے ہیں اور وہ مکمل طور سے دوسروں کی دست نگر بن جاتی ہے۔

ضرورت ہے کہ قبلہ کو توحید کے حرکی تصور اور تمام اہل قبلہ کے درمیان مضبوط اتحاد کی ایک حقیقی علامت کا درجہ دیا جائے، اور ایک ایسا معتدل اور متوازن منہج اختیار کیا جائے جس کی بنیادیں قبلہ والی آیات میں واضح طور پر موجود ہیں۔ قبلہ کے تعلق سے ہماری ذمہ داریاں دوچند ہو جاتی ہیں، اس طور پر کہ نہ صرف ہمیں اسے آباد رکھنا ہے بلکہ اُن تمام دشمنوں سے اس کو محفوظ بھی رکھنا ہے جو اس پر قابض ہیں، یا اس کی تاک میں گھات لگائے بیٹھے ہیں۔

مقدمہ

الحمد لله الذی جعلنا من اهل قبلته واتباع ملته، والصلاة والسلام علی سید الاولین والآخرین سیدنا محمد وعلی آله واصحابه اجمعین ومن تبعهم باحسان الی یوم الدین ۔ امابعد

امت اسلامیہ پر اللہ رب العزت کی عظیم ترین نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ بھی ہے کہ اس نے اس کے دلوں، عقلوں اور اجسام کو جوڑنے اور باہم متحد رکھنے کے لیے بہت سے اسباب فراہم کئے، جن میں سرفہرست قرآن مجید، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور اللہ رب العزت کا گھر خانہ کعبہ ہیں۔ باہم متحد رکھنے والے یہ اسباب امت کے عقل ووجدان میں مکمل طور سے راسخ رہیں گے خواہ امت کی صورتحال کیسی ہی کیوں نہ ہو، وہ کتنی ہی زورآور بن جائے یا کتنی ہی کمزور ہوجائے، کتنا ہی ترقی کرجائے یا کتنا ہی پسماندگی کا شکار بن جائے، یہ مضبوط بنیادیں برقرار رہیں گی اور ہر اَن پڑھ اور پڑھے لکھے فرد کو، مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا، اپنی جانب کھینچتی رہیں گی، تاکہ اس امت کو جمود سے نکال کر حرکت وعمل کی بلندیوں سے آشنا کریں۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے کہ:

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبَارَكاً وَهُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ۔ فِيْهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيْمَ وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِناً وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلاً وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ الله غَنِىٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ (آل عمران:۹۶۔۹۷) (پہلا گھر جو لوگوں (کے عبادت کرنے) کے لیے مقرر کیا گیا تھا وہی ہے جو مکہ میں ہے، بابرکت اور جہان کے لیے موجب ہدایت۔ اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں، جن میں سے ایک ابراہیم (علیہ السلام)

کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے۔ جو شخص اس (مبارک) گھر میں داخل ہوا، اس نے امن پالیا۔ اور لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا حق (یعنی فرض) ہے کہ جو اس گھر تک جانے کا مقدور رکھیں وہ اُس کا حج کریں اور جو اُس کے حکم کی تعمیل نہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ بھی لوگوں سے بے نیاز ہے۔)

خانہ کعبہ اور بیت الحرام کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں قبلہ ایک مادی حقیقت بھی ہے اور اسی طرح یہ ایک مضبوط عقیدہ بھی ہے کیونکہ یہ لوگوں کے عبادت کرنے کے لیے تعمیر کیا گیا پہلا گھر ہے۔ یہ بہت ہی بابرکت ہے کیونکہ اللہ رب العزت نے اس کو مُبَارَکًا کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ یہ رب کی جانب سے موجب ہدایت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے **هُدًى لِّلْعَالَمِيْن** کہا ہے۔ اس میں روحانی نور ہے، کیونکہ فرمان الٰہی ہے: **فِيْهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ**۔ اس کی جڑیں تاریخ میں پیوست ہیں کیونکہ اس کو مَّقَامُ إِبْرَاهِيْمَ کہا گیا ہے، اور یہ امن کا پیکر ہے، کیونکہ قرآن پاک میں کہا گیا کہ وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا۔ اس کی جانب حج کے لیے سفر کرنا شرعی طور پر واجب ہے، اللہ رب العزت کا واضح حکم ہے کہ **وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلاً**، اور جو کوئی بھی اس سے لوگوں کو روکے گا، وہ عقیدہ کفر کا شکار بن جائے گا، فرمان الٰہی ہے: **وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ الله غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ**۔

آئندہ ابواب میں، ان شاء اللہ، قرآن وسنت کی روشنی میں تجزیہ کرتے ہوئے وہ نتائج پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی جس سے تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے عقیدے، عقل اور وجدان میں قبلہ کا جو مقام ومرتبہ ہے وہ ابھر کر سامنے آجائے گا اور اس کے تعلق سے مومنین، یہود، منافقین اور مشرکین ہر کسی کا موقف بھی واضح ہو جائے گا، اسی طرح ہمارے قبلہ اول اور ثانی کو درپیش وہ چیلنجز بھی کھل کر سامنے آجائیں گے، جن پر واضح طور سے قرآن وسنت میں اشارات ملتے ہیں۔ ان سب کے بعد قرآن وسنت کی روشنی میں بغیر کسی ادنیٰ تکلف کے جمود کی شکار اور متحرک امت کی خصوصیات بیان کی جائیں گی اور ان عملی وسائل کو بیان کیا جائے گا جو امت کو

جامد سے متحرک امت میں تبدیل کر دیں۔ کتاب کے آخر میں ایک عملی ضمیمہ یا کام کا خاکہ پیش کیا جائے گا، جس میں فلسطینی قوم کے تعلق سے امت کی ذمہ داری پر گفتگو ہے، وہ فلسطینی قوم جو ہمارے قبلہ اول مسجد اقصی کی پاسبان ہے، جس قبلہ کے بارے میں تمام عقلی ونقلی دلائل اور فقہی اجتہادات صاف طور پر موجود ہیں۔ اس امید کے ساتھ کہ ذہن وفکر کے دریا خیر کی ایسی کھیتوں میں تبدیل ہو جائیں گے جن میں عمدہ عمدہ درخت، تازہ تازہ پھل اور خوبصورت پھول ہوں گے تا کہ دنیا کے سامنے اس امت کی صحیح تصویر سامنے آسکے جو لوگوں پر گواہ بنائی گئی ہے، جو تمام کی تمام خیر کی پیامی ہے، اپنے لیے بھی اور اپنے اردگرد پورے عالم انسانیت کے لیے بھی۔ لہذا ضرورت ہے کہ قول سے عمل اور اصولی باتوں سے عملی پیش رفت کی جانب رخ کیا جائے، یہاں تک کہ اللہ رب العزت گواہی دے کہ ہاں ہم نے اپنی شخصیت کے ارتقاء، اپنے قبلہ کے تحفظ، اپنی ناموس کی حفاظت اور اپنی امت کی آزادی کے لیے انتھک جدوجہد کر ڈالی، اسی وقت ہم اللہ رب العزت کی جانب سے نصرت، عزت اور غلبہ سے سرفراز کیے جائیں گے، فرمان الہی ہے: إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَاد۔ (یقین جانو کہ ہم اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کی مدد اس دنیا کی زندگی میں بھی لازماً کرتے ہیں، اور اس روز بھی کریں گے جب گواہ کھڑے ہوں گے۔ سورہ غافر: ۵۱)، وَيَقُولُونَ مَتَى هُوَ قُلْ عَسَى أَن يَكُونَ قَرِيبًا۔ (وہ کہیں گے کہ یہ ہوگا کب؟ تم کہو کیا عجب کہ وہ وقت قریب ہی آ لگا ہو (سورہ الاسراء: ۵۱)۔

صلاح سلطان

باب اول

تحویل قبلہ: مومنین کی اطاعت اور اغیار کا شور و ہنگامہ

اول: قبلہ اور اہل قبلہ کے خلاف جنگ۔

ثانی: آیات قرآنی کا سیاق اور تحویل قبلہ کے تعلق سے مختلف موقف۔

باب اول

تحویل قبلہ مومنین کی اطاعت اور اغیار کا شور وہنگامہ

قبلہ اول اور قبلہ ثانی قرآن وسنت کے مطابق بھی اور اسلامی ذہن وافکار میں بھی ہمیشہ سے ایک بلند وبالا مقام کا حامل رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ ہمیشہ دشمنوں کی سازشوں کا نشانہ بنا رہا، یہ بات قرآن مجید کی آیات اور احادیث رسولؐ کے تجزیے اور تحویل قبلہ کے تعلق سے مدنی معاشرے میں موجود مختلف گروہوں کے موقف کو دیکھنے کے بعد کھل کر سامنے آجاتی ہے، ذیل میں بعض نصوص پیش کیے جا رہے ہیں، جن سے اس بات کی خوب وضاحت ہو جائے گی:

فصل اول

قبلہ اور اہل قبلہ کے خلاف جنگ:

مسجد اقصی سے مسجد حرام کی جانب تحویل قبلہ درحقیقت مسلمانوں کا ایک داخلی مسئلہ تھا، یہ مسلمانوں کا قبلہ تھا ان کے علاوہ کسی اور کا قبلہ نہیں تھا، نہ تو کسی کو اس بات کا حکم دیا جا رہا تھا کہ وہ اپنی عبادتوں میں ہمارے قبلہ کی جانب رخ کریں، اس کے باوجود قرآنی آیات اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ مدنی معاشرے کی جانب سے تحویل قبلہ کے تعلق سے مختلف قسم کے ردعمل سامنے آئے، جن میں سے بعض ذیل میں پیش ہیں:

(۱) فرمان الٰہی ہے: سَيَقُولُ السُّفَهَاء مِنَ النَّاسِ مَا وَلاَّهُمْ عَن قِبْلَتِهِمُ

الَّتِیْ كَانُواْ عَلَيْهَا قُل لِّلّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِیْ مَن يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ۔وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً لِّتَكُونُواْ شُهَدَاء عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيداً وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنتَ عَلَيْهَا إِلاَّ لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلِبُ عَلَى عَقِبَيْهِ وَإِن كَانَتْ لَكَبِيْرَةً إِلاَّ عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّهُ وَمَا كَانَ اللّهُ لِيُضِيعَ إِيْمَانَكُمْ إِنَّ اللّهَ بِالنَّاسِ لَرَؤُوفٌ رَّحِيْمٌ(سورۃ البقرہ:۱۴۲۔۱۴۳)

(احمق لوگ کہیں گے کہ مسلمان جس قبلے پر (پہلے سے چلے آتے) تھے (اب) اس سے کیوں منہ پھیر بیٹھے؟ تم کہہ دو کہ مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کا ہے وہ جس کو چاہتا ہے سیدھے رستے پر چلاتا ہے۔اور اسی طرح ہم نے تم کو امتِ معتدل بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر (آخر الزماں) تم پر گواہ بنیں۔اور جس قبلہ پر تم (پہلے) تھے اُس کو ہم نے اس لئے مقرر کیا تھا کہ معلوم کریں کہ کون (ہمارے) پیغمبر کا تابع رہتا ہے اور کون اُلٹے پاؤں پھر جاتا ہے اور یہ بات (یعنی تحویل قبلہ لوگوں کو) گراں معلوم ہوئی مگر جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت بخشی ہے (وہ اسے گراں نہیں سمجھتے) اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ تمہارے ایمان کو یونہی کھودے اللہ تعالیٰ تو لوگوں پر بڑا مہربان اور رحمت والا ہے۔)

(۲) بخاری کی روایت ہے، براء بن عازبؓ کی حدیث ہے، کہتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ نے بیت المقدس کی جانب رخ کرکے سولہ یا سترہ مہینے تک نماز ادا کی، رسول ﷺ کی خواہش تھی کی کعبہ کی جانب رخ کرکے نماز ادا کی جائے، اس پر اللہ رب العزت نے وحی نازل فرمائی: قد نری تقلب وجهک فی السماء۔ پھر آپ ﷺ نے کعبہ کی جانب رخ کرلیا، اس پر احمق لوگوں نے جو یہود میں سے تھے، کہا کہ مسلمان جس قبلے پر پہلے سے چلے آتے تھے، اب اس سے کیوں منہ پھیر بیٹھے؟ تم کہہ دو کہ مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کا ہے وہ جس کو چاہتا ہے سیدھے رستے پر چلاتا ہے۔اس کے بعد نبی ﷺ کے ساتھ ایک شخص نے

نماز ادا کی اور نماز ادا کرنے کے بعد باہر نکلا تو انصار کے کچھ لوگوں کے پاس سے اس کا گزر ہوا، وہ نماز عصر بیت المقدس کی جانب رخ کر کے ادا کر رہے تھے، اس نے کہا کہ وہ گواہ ہے کہ اس نے رسول ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی ہے اور آپ ﷺ کا رخ کعبہ کی جانب تھا، یہ سننا تھا کہ لوگ پلٹے اور کعبہ کی جانب رخ کر لیا (صحیح البخاری، کتاب الصلوۃ، باب التوجہ نحو القبلۃ حیث کان)۔

میں نے ان تمام قرآنی آیات کو جمع کیا، جن میں قبلہ کا ذکر آیا ہے خواہ لفظ 'قبلہ' مذکور ہو، جیسا کہ قرآن کے سات مقامات پر مذکور ہے، سورہ بقرہ میں تحویل قبلہ کے سیاق میں چھ مرتبہ ذکر آیا ہے اور ایک جگہ سورہ یونس میں (**واجعلوا بیوتکم قبلة** (سورة یونس:۸۷)، یا پھر **المسجد الحرام یا البیت الحرام** یا صرف **البیت** کہہ کر **البیت الحرام** مقصود ہو جیسا کہ سورہ قریش کی آیت نمبر ۳ رہے، **فلیعبدوا رب ھذا البیت**۔

مجھے بہت ہی حیرت ہوئی یہ دیکھ کر کہ نصوص کی یہ بڑی تعداد اس سلسلہ میں واضح ہے کہ مشرکین کا موقف بطور خاص یہود اور ان کے ہم نوا منافقین کا موقف اس وقت کیا تھا، وہ قبلہ کے مسئلہ کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کی بنیاد سمجھتے تھے، خواہ وہ وقتی طور پر قبلہ اول مسجد اقصی ہو یا پھر دائمی طور پر قبلہ ثانی مسجد حرام ہو۔ ذیل میں قرآن وسنت سے چند نصوص پیش ہیں، جن سے خود بخود یہ موقف واضح ہو کر سامنے آجائے گا:

(۱) فرمان الٰہی ہے: **سُبْحَانَ الَّذِیْ أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الأَقْصَى الَّذِیْ بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ البَصِيرُ۔ وَآتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِیْ إِسْرَائِيلَ أَلاَّ تَتَّخِذُواْ مِن دُونِیْ وَكِيلا** (سورہ الاسراء: ۱۔۲) (وہ (ذات) پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام (یعنی خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں لے گیا تاکہ اُسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائے، بیشک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔ اور ہم

نے موسٰی کو کتاب عنایت کی تھی اور اس کو بنی اسرائیل کیلئے رہنما مقرر کیا تھا کہ میرے سوا کسی کو کارساز نہ ٹھہرانا۔)

(۲) فرمان الٰہی ہے: إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاء الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ وَمَن يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ (الحج:۲۵) (جو لوگ کافر ہیں اور (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے اور مسجد حرام سے جسے تم نے لوگوں کیلئے یکساں (عبادت گاہ) بنایا ہے روکتے ہیں خواہ وہ وہاں کے رہنے والے ہوں یا باہر سے آنے والے، اور جو اس میں شرارت سے کجروی (وکفر) کرنا چاہے اُسے ہم دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔)

(۳) فرمان الٰہی ہے: يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَن سَبِيلِ اللّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِندَ اللّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلاَ يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىَ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُواْ وَمَن يَرْتَدِدْ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُوْلَـئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ وَأُوْلَـئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُون (البقرہ:۲۱۷) (اے محمد ﷺ!) لوگ تم سے عزت والے مہینوں میں لڑائی کے بارے میں دریافت کرتے ہیں تو کہہ دو کہ اُن میں لڑنا بڑا (گناہ) ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اُس سے کفر کرنا اور مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ میں جانے) سے (بند کرنا) اور اہلِ مسجد کو اُس میں سے نکال دینا (جو یہ کفار کرتے ہیں) اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ (گناہ) ہے اور فتنہ انگیزی خونریزی سے بھی بڑھ کر ہے۔ اور یہ لوگ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر مقدور رکھیں تو تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں اور جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر کر (کافر ہو) جائے گا اور کافر ہی مرے گا تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں برباد ہو جائیں گے اور یہی

لوگ دوزخ (میں جانے) والے ہیں جس میں ہمیشہ رہیں گے۔)

(۴) فرمان الٰہی ہے: وَمَا لَهُمْ أَلاَّ يُعَذِّبَهُمُ اللّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُواْ أَوْلِيَاءهُ إِنْ أَوْلِيَآؤُهُ إِلاَّ الْمُتَّقُونَ وَلَـكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لاَ يَعْلَمُونَ۔ وَمَا كَانَ صَلاَتُهُمْ عِندَ الْبَيْتِ إِلاَّ مُكَاء وَتَصْدِيَةً فَذُوقُواْ الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ۔ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُواْ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّواْ عَن سَبِيلِ اللّهِ فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ وَالَّذِينَ كَفَرُواْ إِلَى جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ۔ لِيَمِيزَ اللّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىَ بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعاً فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ أُوْلَـئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ۔ قُل لِلَّذِينَ كَفَرُواْ إِن يَنتَهُواْ يُغَفَرْ لَهُم مَّا قَدْ سَلَفَ وَإِنْ يَعُودُواْ فَقَدْ مَضَتْ سُنَّةُ الأَوَّلِينِ۔ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لاَ تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّه فَإِنِ انتَهَوْاْ فَإِنَّ اللّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (الانفال: ۳۴۔ ۳۹) (اور (اب) اُن کیلئے کونسی وجہ ہے کہ وہ اُنہیں عذاب نہ دے جب کہ وہ مسجد محترم (میں نماز پڑھنے) سے روکتے ہیں اور وہ اس مسجد کے متولی بھی نہیں اُس کے متولی تو صرف پرہیزگار ہیں لیکن اُن میں اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور ان لوگوں کی نماز خانہ کعبہ کے پاس سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا کچھ نہ تھی تو تم جو کفر کرتے تھے اس کے بدلے عذاب (کا مزہ) چکھو۔ جو لوگ کافر ہیں اپنا مال خرچ کرتے ہیں کہ (لوگوں) کو اللہ کے رستے سے روکیں سو ابھی اور خرچ کریں گے مگر آخر وہ (خرچ کرنا) اُن کیلئے (موجب) افسوس ہوگا اور وہ مغلوب ہو جائیں گے اور کافر لوگ دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے اور ناپاک کو ایک دوسرے پر رکھ کر ایک ڈھیر بنا دے پھر اُس کو دوزخ میں ڈال دے۔ یہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں۔ (اے پیغمبر!) کفار سے کہہ دو کہ اگر وہ اپنے افعال سے باز آ جائیں تو جو ہو چکا وہ اُنہیں معاف کر دیا جائے گا اور اگر پھر (وہی حرکات) کرنے لگیں گے تو اگلے لوگوں کا (جو) طریق جاری ہو چکا ہے (وہی اُن کے حق میں

برتا جائے گا)۔ اور اُن لوگوں سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ (یعنی کفر کا فساد) باقی نہ رہے اور دین سب اللہ ہی کا ہوجائے اور اگر باز آ جائیں تو اللہ اُن کے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔)

(۵) فرمان الٰہی ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلاَ يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللّهُ مِن فَضْلِهِ إِن شَاء إِنَّ اللّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ۔ قَاتِلُوا الَّذِينَ لاَ يُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَلاَ بِالْيَوْمِ الآخِرِ وَلاَ يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللّهُ وَرَسُولُهُ وَلاَ يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ** (التوبہ: ۲۸۔ ۲۹) (مومنو! مشرک تو پلید ہیں تو اس برس کے بعد وہ خانہ کعبہ کے پاس نہ جانے پائیں اور اگر تمہیں مفلسی کا خوف ہو تو اللہ چاہے گا تو تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا بیشک اللہ سب کچھ جانتا (اور) حکمت والا ہے۔ جو لوگ اہلِ کتاب میں سے اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ روزِ آخرت پر (یقین رکھتے ہیں) اور نہ اُن چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول نے حرام کی ہیں اور نہ دینِ حق کو قبول کرتے ہیں اُن سے جنگ کرو یہاں تک کہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔)

(۶) فرمان الٰہی ہے: **أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللّهِ لاَ يَسْتَوُونَ عِندَ اللّهِ وَاللّهُ لاَ يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِين** (التوبہ: ۱۹) (کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجدِ حرام (یعنی خانہ کعبہ) کو آباد کرنا اُس شخص کے اعمال جیسا خیال کیا ہے جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے؟ یہ لوگ اللہ کے نزدیک برابر نہیں اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔)

(۷) امام بخاریؒ نے نافع بن جبیر بن مطعم سے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ایک لشکر کعبہ پر چڑھائی کرے گا، جب

وہ لوگ مکہ کے صحرا میں پہنچے گے، تو زمین میں دھنسا دیئے جائیں گے۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں، میں نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول کیسے وہ تمام کے تمام زمین میں دھنسا دیئے جائیں، حالانکہ وہاں بازار وغیرہ بھی ہوں گے اور ایسے لوگ بھی ہوں گے جو اس لشکر میں نہیں ہوں گے؟ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا: وہ سب کے سب سے زمین میں دھنسا دیئے جائیں گے، پھر آخرت میں ان کی نیتوں کے حساب سے ان کے ساتھ معاملہ کیا جائے گا۔ حضرت (صحیح البخاری، کتاب البیوع: باب ماذکر فی الاسواق)۔

اس کے علاوہ قرآن وسنت کے متعدد نصوص ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے مقدس مقامات مشرکین کی جانب سے مستقل سازشوں کا نشانہ بنے ہوئے ہیں، لہذا مسلمانوں کی لازمی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے مقدس مقامات کے تحفظ کے لیے ہمہ وقت تیار رہیں، یہ متحرک امت کی خصوصیات میں داخل ہے۔ اگر مسجد اقصی کی توہین ہوتی ہے تو وہ جمود کی شکار امت میں شمار ہوں گے، اس وقت مسجد اقصی کو منہدم کرنے کے منصوبے بنائے جارہے ہیں، برطانیہ کے لارڈ کرومر نے جب وہ فاتحانہ لاؤلشکر کے ساتھ مصر تک پہنچ گیا تھا، اس وقت کہا تھا کہ (میرا مقصد تین چیزوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا ہے: قرآن مجید، خانہ کعبہ اور جامعہ ازہر)، اس کے باوجود امت اپنے مقدس مقامات کا دفاع کرنے کو تیار نہیں۔

یہ رہا قرآن وسنت کے نصوص کا معاملہ، اس کے علاوہ صورتحال سے بھی اسی موقف کی تائید ہوتی ہے کہ اہل ایمان کے لیے لازم ہے کہ وہ مقدس مقامات کی نگرانی اور حفاظت کے لیے ہر طرح سے ہمہ وقت تیار رہیں کیوں کہ کافر، فاسق اور سرکش لوگ کسی صورت یہ دیکھنا پسند نہیں کر سکتے کہ مسلمان ایک قبلہ ہو کر رہیں، ان کے نوجوان حج اور عمرے کے لیے مکہ معظّمہ کی جانب کوچ کیا کریں، ان کی نقاب پوش عورتیں جن کے پردے طہارت، پاکیزگی، عفت اور عظمت سے بھرپور ہوتے ہیں وہ حج اور عمرے کے لیے سفر کریں اور پھر سب لوگ سرزمین اسلام میں پھیل

جائیں۔اس طرح ان نصوص سے درج ذیل حقائق سامنے آتے ہیں:

(۱)اسراءاورمعراج پر گفتگو کرنے کے بعداس بات کی جانب بہت واضح اشارہ کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل زمین میں دومرتبہ فساد پھیلائیں گے اور یہ وہی کڑوی حقیقت ہے جو آج درپیش ہے۔

(۲)سورہ حج میں مناسک حج سے ماقبل آیات میں اللہ کے راستہ سے روکنے اوراس راہ میں رکاوٹیں ڈالنے والے مشرکین کے موقف کی وضاحت کی گئی ہے اور مناسک حج کا ذکر کرنے کے بعد پہلی آیت قتال کے حکم سے متعلق ہے اور یہ قرآن مجید کی پہلی آیت ہے جس نے ظلم واستبداد پر ردعمل کومباح قرار دیا ہے،فرمان الٰہی ہے:**إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِيْنَ آمَنُوا إِنَّ اللَّـهَ لَا يُـحِـبُّ كُـلَّ خَوَّانٍ كَفُور. أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْر** (الحج :۳۸۔۳۹)ترجمہ:''اللہ تو مومنوں سے اُن کے دشمنوں کو ہٹا تا رہتا ہے بیشک اللہ کسی خیانت کرنے والے اور کفرانِ نعمت کرنے والے کو دوست نہیں رکھتا۔جن مسلمانوں سے(خواہ مخواہ)لڑائی کی جاتی ہے اُن کو اجازت ہے(کہ وہ بھی لڑیں)کیونکہ اُن پر ظلم ہورہا ہے اوراللہ(اُن کی مدد کرے گا وہ)یقیناً اُن کی مدد پر قادر ہے''۔اور سورہ حج کے اختتام میں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے تیاری کرنے کی ہدایت ہے،فرمان الٰہی ہے:**وَجَـاهِـدُوا فِـيْ الـلَّـهِ حَقَّ جِهَـادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ** (الحج: ۷۸) ترجمہ:''اوراللہ(کی راہ)میں جہاد کروجیسا جہاد کرنے کا حق ہے،اُس نے تمہیں برگزیدہ کیا ہے''۔

(۳)شاید مناسک حج کی ادائیگی اور جہاد کی تیاری کے درمیان ربط تمام قرآنی سورتوں کا ایک واضح ترین مسئلہ ہے،خاص طور سے سورہ بقرہ کی آیات (۱۸۹۔۱۹۰) پر غور کرنے سے **اهـلـة، حـج اور قتـال** کے درمیان ربط اور تعلق صاف سمجھ میں آجاتا ہے۔مسجد حرام کے پاس قتال جب کہ وہ ہم پر حملہ کردیں ایک ضروری تیاری کا طالب ہے جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیات

(۱۹۵۔۱۹۶) میں ہے۔اسی طرح کتب علیکم القتال والی آیت (۲۱۶) کے بعد کی آیات میں شہر حرام اور مسجد حرام کے بارے میں گفتگو ہے کہ اس میں قتال جائز ہے یا نہیں؟ اور قرآن مجید میں انتہائی جلی حروف میں بیان کیا گیا ہے کہ امت کے اوپر کچھ ایسے فتنے آپڑیں گے جو قتل سے بھی کسی درجہ بڑے ہو گے اور معرکہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ ہم اپنے دین، اخلاق اور اقدار سے پھر نہ جائیں، فرمان الٰہی ہے: وَلاَ يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىَ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُواْ (البقرہ:۲۱۷) ترجمہ: ''اور یہ لوگ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر مقدور رکھیں تو تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں''۔

(۴) مشرکین کے اس عمل سے متعلق کہ وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں قرآن کی بیشتر آیات فعل ماضی کی جگہ فعل مضارع کا استعمال کرتی ہیں۔ اس سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ مسجد حرام سے روکنے اور مختلف فتنے کھڑے کرکے (جس میں مرد وعورت اور نوجوان سب آجاتے ہیں) مسلمانوں کو اس سے دور کرنے کی کوششیں جاری رہیں گی، اور یہ عمل قتل سے بھی سنگین تر ہے جیسا کہ قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے، اس سلسلہ کے بعض واضح نصوص ذیل میں پیش ہیں:

(الف) وَمَا لَهُمْ أَلاَّ يُعَذِّبَهُمُ اللّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ (سورۃ الانفال: ۳۴) ترجمہ: ''اور (اب) اُن کے لئے کون سی وجہ ہے کہ وہ اُنہیں عذاب نہ دے جب کہ وہ مسجد حرام (میں نماز پڑھنے) سے روکتے ہیں''۔

(ب) شہر حرام اور مسجد حرام سے متعلق گفتگو کے سیاق میں اللہ رب العزت نے فرمایا: وَلاَ يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىَ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُواْ (البقرہ:۲۱۷) ترجمہ: ''اور یہ لوگ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر مقدور رکھیں تو تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں''۔

(۵) مسجد حرام کے قریب آنے سے مشرکین کو روکنے کے ساتھ ہی ان لوگوں سے

جنگ کا حکم بھی دیا گیا ہے جو اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دینا چاہتے ہیں۔

(٦) قرآن مجید کے مطابق جو شخص مسجد حرام کی آبادکاری میں مصروف رہتا ہے مگر اس کے تحفظ کے لیے کوئی تیاری نہیں کرتا اور اس پر جو زیادتی ہوتی ہے اس کو روکنے کے لیے کوئی عملی اقدام نہیں کرتا، وہ شخص اس شخص کے برابر نہیں ہوسکتا جو مسجد حرام کی آبادکاری کے ساتھ ساتھ اس کا تحفظ کرنے اور اسے دشمنوں کے حیلوں سے محفوظ رکھنے کے لیے مستعد رہتا ہے۔ شاید کہ عبداللہ بن مبارکؒ کے ان اشعار کے پیچھے یہی نصوص تھے، جن اشعار میں انہوں نے ان لوگوں کو خوب ملامت کی ہے جو عبادت کا صرف مصلحتی پہلو اختیار کرتے ہیں اور جہادی پہلو سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں:

عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں:

یا عابد الحرمین لو ابصرتنا
لعلمت انک فی العبادة تلعب
من کان یخضب خده بدموعه
فنحورنا بدمائنا تتخضب
او کان یتعب خیله فی باطل
فخیولنا یوم الصبیحة تتعب
ریح العبیر لکم ونحن عبیرنا
رهج السنابک والغبار الاطیب
ولقد اتانا من مقال نبینا
قول صحیح صادق لا یکذب
لا یستوی غبار اهل الله فی

انف امـــرئ ودخـــان نـــار تـلهـــب

هـذا كتـــاب الـلـــه يـنـطـق بيـنـنـا

ليـــس الشهيـد بـميـــت لا يـكـذب

(اے حرمین کے عابد! اگر تم ہمارے حال پر غور کرو گے تو تمہیں اس بات کا اندازہ ہو جائے گا کہ تم عبادت کے ساتھ کھلواڑ کرتے ہو۔ اے وہ شخص جس کے رخسار آنسوؤں سے تر رہتے ہیں، سن لو کہ ہماری گردنیں تو خون سے تر بہ تر رہتی ہیں۔ اے وہ شخص جو بلاوجہ اپنے گھوڑے کو تھکا کر ہلکان کر دیتا ہے ہمارے گھوڑے تو جنگ کے میدان میں جا کر ہی تھکان کا شکار ہوتے ہیں۔ تمہارے لیے خوشبو کی مہک ہے اور ہمارے لیے کھروں کی مٹی اور پاکیزہ غبار ہے۔ ہم نے تو نبیؐ کا فرمان سنا ہے اور یہ صحیح اور سچا ہے کیونکہ وہ جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ سونگھنے میں اللہ والوں کا غبار اور بھڑکتی آگ کا دھواں برابر نہیں ہو سکتے۔ یہ اللہ رب العزت کی کتاب ہے جس کا فرمان ہے کہ شہید کو مردہ مت سمجھو یہ مردہ نہیں ہیں۔)

(۷) حدیث میں آتا ہے کہ ایک لشکر کعبہ پر چڑھائی کرے گا، اسی طرح دجال کے متعلق احادیث اور مکہ مدینہ کے اندر اس کے داخل ہونے کی کوششیں اور اس کا وہاں جانے سے روک دیا جانا، ان تمام باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ ایک سخت ترین جنگ کے لیے تیاری جاری ہے، قبلہ اور اہل قبلہ کی مخالفت میں، اور ہر اس چیز کی مخالفت میں جو اس امت کی قوت کو مجتمع کرے اور اس کی صفوں میں اتحاد پیدا کرے، یہ عقیدہ کا مسئلہ ہے، اس کے لیے عملی طور پر متحرک ہو جانا لازمی ہے تاکہ اپنے مقدس مقامات کی حفاظت کی جا سکے۔

یہ قبلہ اور اہل قبلہ کے تعلق سے اغیار کے رویہ کا ایک عمومی جائزہ ہے، ذیل میں تحویل قبلہ کے تعلق سے ان کے خاص موقف پر بات رکھی جائے گی۔

فصل ثانی

آیات قرآنی کا سیاق اور تحویل قبلہ کے تعلق سے یہود، منافقین اور مشرکین کا رویہ:

سورہ بقرہ میں تحویل قبلہ سے متعلق آیات کی ایک خاص امتیازی شان ہے جو ذیل میں درج ہے:

(۱) سورہ بقرہ میں پہلی مرتبہ نفاق کے متعلق بیان کیا گیا ہے، اس کی ابتدا میں اللہ رب العزت نے پانچ آیتوں کے اندر مومنین کی صفات بیان فرمائی ہیں اور دو آیتوں میں کفار کی صفات، لیکن منافقین کا ذکر تیرہ آیتوں میں کیا ہے۔ اسی طرح قرآن نے متعدد بار اور متعدد مقامات پر منافقین کو رسوا کیا ہے، اس میں سب زیادہ سورہ توبہ میں ان کے کرتوت کھول کھول کر بیان کیے گئے ہیں، اسی طرح پوری ایک سورہ ہے سورۃ المنافقون، اس میں بھی ان کے جھوٹ اور فریب کو بیان کیا گیا ہے۔ ایسے افراد ہمارے معاشروں میں عام اور خاص ہر طرح کی شخصیات کی صورت میں نمودار ہوتے ہیں، ہمارے اسلامی مما لک کے نام اور شہریت رکھتے ہیں، ہماری ہی زبانوں میں ہم سے ہم کلام ہوتے ہیں، لیکن ان کی عقلیں اور ان کے دل اللہ کے دشمنوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اللہ، اس کے رسول اور مومنین کے وہ مخالف اور دشمن ہوتے ہیں، ایسے لوگ دوسروں کے بالمقابل زیادہ خطرناک ہوتے ہیں کیونکہ وہ امت اسلامیہ ہی کے جسم کے مریض عضو اور عمارت کا کمزور حصہ ہوتے ہیں، اسی قسم کے لوگ تھے جنھوں نے تحویل قبلہ سے متعلق یہود کی باتوں کو لے کر دنیا بھر میں ڈھنڈورا پیٹا تھا۔

(۲) سورہ بقرہ کا یہ نام اسی لیے رکھا گیا کہ اس میں بنی اسرائیل کے لڑائی جھگڑوں،

دھوکہ بازی، قتل اور بہتان تراشی کے متعلق قصوں کا ذکر ہے، پھر اس میں ایسے قصے اور صفات بیان ہوئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ روئے زمین پر اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ دشمنی کرنے، اس کے فرشتوں سے نفرت رکھنے، عہد شکنی، مادہ پرستی، بے گناہوں کا خون کرنے، خود اپنے آپ پر ظلم کرنے، اور دوسروں پر چیرہ دستی کرنے، رب کی ناشکری کرنے، انبیاء کے سامنے سرکشی کرنے، اور جن کے قتل پر قادر ہوئے قتل کرنے میں وہ ہر کسی سے آگے رہتے ہیں۔

رہی بات تحویل قبلہ سے متعلق ان کے موقف کی، اس سلسلہ میں ''عیون الاثر فی المغازی والسیر'' کے مصنف لکھتے ہیں کہ تحویل قبلہ سے متعلق ان کے درمیان مختلف موقف تھے، مثال کے طور پر:

(۱) منافقین نے کہا کہ جس قبلے پر (پہلے سے چلے آتے) تھے (اب) اس سے کیوں منہ پھیر بیٹھے؟

(۲) یہود نے کہا کہ اپنے آبائی گھر کی طرف شوق بڑھ رہا ہے، وہ اپنی قوم کو خوش کرنا چاہتا ہے، اگر وہ ہمارے قبلہ پر برقرار رہ گیا تو ہم یہ امید کر سکتے ہیں کہ یہ وہی نبی ہے جس کی آمد کا ہمیں انتظار تھا۔

(۳) مشرکین مکہ نے کہا کہ محمد اپنے دین کو لے کر حیران ہے، اس نے اب تمہارا قبلہ اختیار کرلیا ہے کیونکہ اس کو یہ بات معلوم ہوگئی ہے کہ تم ہی لوگ صحیح راستے پر ہو، عنقریب وہ تمہارے دین کو اختیار کرلے گا۔

(۴) بعض مومن بندوں نے کہا کہ ان نمازوں کا کیا ہوگا جو ہم نے بیت المقدس کی جانب رخ کرکے پڑھی ہیں، نیز ہمارے ان بھائیوں کا کیا ہوگا جنہوں نے بیت المقدس کی جانب رخ کرکے نمازیں ادا کیں اور اب وہ وفات پا گئے؟!

یہ ان روایات کے ساتھ ساتھ ہے، جن کا اس سے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ مومنین نے اس موقع پر سمع وطاعت کا کیا بہترین رویہ اختیار کیا تھا، انہوں نے رب کے حکم پر سر تسلیم خم کردیئے

تھے۔سوائے ان بعض افراد کے جنہوں نے تحویل قبلہ سے ماقبل دور میں اپنی نمازوں کے بارے میں دریافت کیا تھااور یہ سوال تو بہر حال اٹھتا ہی ہے،لیکن جملہ مومنین نے اس پر رضامندی کا اظہار کیا اور سمع وطاعت کی وہ اعلی مثال قائم کی کہ وہ رکوع کی حالت میں تھے اور اسی حالت میں پلٹ پڑے،جیسا کہ حضرت براءؓ کی روایت ہے کہ وہ نماز عصر ادا کرر ہے تھے اس مسجد میں جس کو آج مسجد ذوالقبلتین کہا جاتا ہے۔یا پھر حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ وہ نماز فجر کے وقت مسجد قبا میں تھے،اسی طرح اور روایات بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر مومنین صادقین کا موقف بہت ہی ٹھوس اور مضبوط تھا اور وہ اس فیصلے پر دل سے راضی اور خوش تھے۔البتہ دوسرے لوگوں نے مختلف انداز سے شور اور ہنگامے کیے، ذیل میں اس پر قدرے تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی جائے گی:

(ا) قرآن نے سب سے پہلے اور سب سے بڑے جس گروپ کا ذکر کیا وہ ہے سفہاء کا گروپ، یہ لوگ یہودی تھے جب اللہ کے رسول ﷺ نے بیت المقدس کی جانب رخ کر کے نماز پڑھی تو اس وقت انہوں نے خوب باتیں بنائیں۔انہوں نے کہا کہ ہمارے قبلے کی طرف رخ کر کے اس کا نماز ادا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ہمارا دین ہی صحیح ہے اور اس کا جدید مذہب غلط ہے۔اور جب قبلہ تبدیل ہوگیا تو انہوں نے اللہ رب العزت سے متعلق کہا کہ اس کے لیے 'بداء' جائز ہے یعنی ایک بات کہتا ہے اور پھر اس سے پھر جاتا ہے،حالانکہ یہ لوگ اللہ رب العزت پر جو بھی بہتان باندھ لیں اللہ رب العزت کی ذات ان تمام چیزوں سے پاک اور برتر ہے۔وہ کہتے تھے کہ اپنے آبائی دین اور کعبہ کا شوق محمد کو اس جانب کھینچ لے گیا۔قصہ مختصر یہ کہ انہوں نے خوب بکواس کی کیونکہ قبلہ تبدیل ہونے سے ان کا پہلا بہتان غلط ثابت ہوگیا تھا،چنانچہ انہوں نے یہ ضروری سمجھا کہ ایک اور جھوٹ کا پلندہ تیار کریں،ایسا کرنا ان کے لیے کوئی انوکھی بات نہیں تھی کیونکہ ایسا تو انہوں نے تمام ہی انبیاء کے ساتھ کیا ہے، بلکہ اللہ رب العزت کے ساتھ بھی

جبکہ اس نے ان کو حکم دیا کہ من وسلوی کھاؤ تو انہوں نے کہا یا ربنا حط عنا خطایانا، اور حط میں تحریف کر کے اس کو حنطۃ بنا دیا، اس پر اللہ رب العزت نے فرمایا: فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُواْ قَوْلاً غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَهُمْ فَأَنزَلْنَا عَلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُواْ رِجْزاً مِّنَ السَّمَاء بِمَا کَانُواْ یَفْسُقُونَ (البقرہ: ۵۹) ترجمہ: ''تو جو ظالم تھے انہوں نے اس لفظ کو، جس کا انہیں حکم دیا گیا تھا بدل کر اس کی جگہ اور لفظ کہنا شروع کیا پس ہم نے ان ظالموں پر آسمان سے عذاب نازل کیا کیونکہ وہ نافرمانیاں کئے جاتے تھے''۔ اس قدر جعل سازی اور اس درجہ سطحی انداز، اور حال یہ ہے کہ ان کے دلوں میں کوئی پریشانی اور بے چینی نہیں!! اس سے مدینہ کے ابتدائی دور میں اسلامی شریعت کے تعلق سے ان کا رویہ کھل کر سامنے آجاتا ہے، ذیل کی دونوں احادیث سے اس کی مزید وضاحت ہوتی ہے:

(۱) صفیہ بنت حیی بن اخطبؓ کی حدیث ہے، کہتی ہیں کہ میں اپنے باپ کی سب سے لاڈلی بیٹی تھی، اسی طرح اپنے چچا ابو یاسر کی لاڈلی تھی، جب کبھی میں ان کے سامنے آتی اور وہ کسی اور بچے کو گود میں لیے ہوتے تو فوراً اس کو اتار کر مجھے لے لیتے۔ کہتی ہیں کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے اور قبا میں بنی عمرو بن عوف کے یہاں قیام کیا، تو ان سے ملنے کے لیے رات کے آخری پہر میرے والد حیی بن اخطب اور چچا ابو یاسر بن اخطب وہاں گئے۔ کہتی ہیں کہ جب واپس ہوئے تو سورج غروب ہو چکا تھا۔ کہتی ہیں: وہ تھکے ماندے، آہستہ آہستہ چلتے ہوئے آرہے تھے، میں اچھلتی کودتی اپنی عادت کے مطابق ان کی طرف لپکی، لیکن خدا کی قسم ان میں سے کوئی بھی میری طرف متوجہ نہیں ہوا، وہ دونوں کافی رنجیدہ معلوم ہو رہے تھے۔ کہتی ہیں کہ میں نے چچا ابو یاسر کو کہتے سنا، وہ میرے باپ حیی بن اخطب سے کہہ رہے تھے: کیا یہ وہی ہے وہی؟ انہوں نے کہا: ہاں، قسم ہے خدا کی۔ انہوں نے پوچھا کہ تم ان کو جانتے ہو اور صحیح مانتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں، انہوں نے پھر سوال کیا: اب تمہارے دل میں اس کے تعلق سے کیا

رائے ہے؟ انہوں نے جواب دیا: جب تک رہوں گا اس کا دشمن رہوں گا (السیرۃ النبویۃ، المجلد ۳)۔

(۲) امام بخاریؒ نے اپنی سند سے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے، کہتے ہیں: عبداللہ بن سلام کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ آنے کی اطلاع ملی تو وہ آپؐ کے پاس آیا اور آپؐ سے عرض کیا کہ میں آپ سے تین چیزوں کے بارے میں دریافت کرنا چاہتا ہوں جن کے بارے میں صرف نبی ہی کو علم ہوتا ہے۔ قیامت کی پہلی علامت کیا ہے، اہل جنت کو سب سے پہلے کیا چیز کھانے کو ملے گی اور کس چیز سے بیٹا باپ کا مماثل ہوتا ہے اور کس چیز سے اپنے ماموؤں کا مماثل ہوتا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جبرئیل نے ابھی ابھی مجھے اس کی اطلاع دی ہے، اس پر عبداللہ نے کہا کہ فرشتوں میں سے یہ یہود کا دشمن ہے، پھر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کی پہلی علامت یہ ہے کہ ایک آگ اٹھے گی جو مشرق سے مغرب کی طرف لوگوں کو ہانکتی لے جائے گی، رہا اہل جنت کا پہلا کھانا تو وہ مچھلی کا کلیجہ ہے اور رہی مماثلت کی بات تو جب مرد غالب آجاتا ہے اور اس کا پانی سبقت لے جاتا ہے تو اس سے مماثلت ہوتی ہے اور اگر اس کی بیوی غالب آگئی اور اس کا پانی سبقت لے گیا تو اس سے مماثلت ہوتی ہے۔ اس پر اس نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، پھر کہا کہ اے اللہ کے رسول یہود ایک بہت ہی مکار قوم ہے، اگر ان کو میرے اسلام کا علم ہوگیا قبل اس کے کہ آپ میرے متعلق ان سے دریافت کریں تو وہ مجھ پر بہتان تراشی کرنے لگیں گے، اتنے میں یہود آئے اور عبداللہ گھر کے اندر چلے گئے، پھر اللہ کے رسولؐ نے فرمایا: عبداللہ بن سلام تمہارے درمیان کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا: علم میں ہم میں سب سے برتر، اور سب سے برتر کا بیٹا، سب سے بہتر اور سب سے بہتر باپ کا بیٹا، اس پر رسول خداؐ نے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے اگر عبداللہ اسلام قبول کرلے۔ انہوں نے کہا کہ اللہ ان کو اس سے محفوظ رکھے۔ اسی اثناء میں عبداللہ نکل آئے اور انہوں نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد اللہ کے رسول

ہیں۔اس پر انہوں نے کہا کہ یہ ہمارے درمیان بدتر اور بدتر کی اولاد ہےاوراس کے بارے میں جو کچھ کہنا تھا کہہ ڈالا (صحیح البخاری، کتاب الانبیاء: باب قول اللہ واذ قال ربک للملائکۃ انی جاعل ۔۔، حدیث رقم ۳۱۵۱)۔

(۲) منافق ہر زمانے میں یہود ونصاری کے دوست اور مومنین کے دشمن رہے ہیں۔ اسلام کے خلاف ہر سازش میں وہ ان کے ساتھ شریک رہے اورتحویل قبلہ کے موقع پر بھی یہود کے ساتھ ان کے فریب میں شریک رہے، ان کے پاس کوئی نئ چیز نہیں ہوتی تھی، وہ محض اپنے یہودی سرداروں کی باتیں دہراتے چلے جاتے تھے، بالکل اسی طرح جیسے آج عالم اسلام کے منافقین کر رہے ہیں۔

(۳) مشرکین مکڑی کے جالے میں الجھ کر رہ گئے، وہ گمان کر بیٹھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دین سے پھر گئے اوراپنے آباءواجداد کے دین کی طرف پلٹ رہے ہیں، ان کا گمان تھا کہ تحویل قبلہ اس سلسلہ کا پہلا قدم ہے، بالآخر وہ بھی ہمارے ہی مذہب کی پیروی کرنے لگیں گے، یہ ایک بچکانہ وہم اور ایک سادہ لوح کا تجزیہ ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں رسول، رسالت اور صحابہ کے متعلق صحیح فہم اور شعور نہیں تھا۔

☆☆☆

باب دوم

ہمارا قبلہ اور جامد و متحرک امت کے خصائص

فصل اول: تحویل قبلہ کی آیات میں متحرک امت کے خصائص

اول: متحرک امت ایک متحد امت ہوتی ہے۔

دوم: یہ علمی سبقت رکھنے والی امت ہوتی ہے۔

سوم: اس کے پاس تزکیہ کا اپنا ایک مکمل نظام ہوتا ہے۔

چہارم: یہ آزاد اور خودمختار ہوتی ہے۔

فصل ثانی: جامد امت کے خصائص

اول: جامد امت کا عقیدہ فاسد ہوتا ہے۔

دوم: ان کی عقلیں جمود کا شکار ہیں۔

سوم: ان کے دل سخت ہوتے ہیں۔

چہارم: یہ ایک منتشر امت ہوتی ہے۔

باب دوم

ہمارا قبلہ اور جامد و متحرک امت کے خصائص

بہت سے لوگ نصف شعبان کو مختلف سنتوں اور بدعتوں میں مشغول تھے (چونکہ ایک رائے کے مطابق اسی موقع پر تحویل قبلہ ہوا تھا) اس دن مجھ پر بے خوابی طاری تھی، میری نیند وہ قرآنی نصوص لے اڑے تھے جن میں اس امت کے متعلق گفتگو ہے جو لوگوں پر گواہ بنائی گئی ہے۔ میں غور وفکر میں غرق تھا، ان خصائص کو دیکھ رہا تھا جو امت کو ایک متحرک اور شہادت کے منصب پر فائز امت بنا دیتے ہیں، لیکن اچانک ہی میری نظر امت کی تلخ صورت حال پر پڑی تو دیکھا کہ جمود کی شکار ایک امت ہے جو اپنے دشمن کے پیچھے پیچھے چلتی چلی جارہی ہے اور اغیار کی ایجادات اور صنعت وکاریگری کے بھوسے پر ذلت کے ساتھ گزر بسر کررہی ہے۔ لہذا میں نے اس بات کا عزم کیا کہ قرآن وسنت کی روشنی میں ایک متحرک امت کے خصائص پر گفتگو کروں اور موجودہ حالات کے تناظر میں جامد یا جمود کی شکار امت کے خصائص پر بھی گفتگو کروں، جس میں حزن وملال کا احساس شامل ہو اور امید کے ساتھ ساتھ جدو جہد پیش نظر ہو۔

فصل اول

تحویل قبلہ کی آیات میں متحرک امت کے خصائص

متحرک امت کے خصائص کی تحدید میں تحویل قبلہ کا واقعہ کافی اہمیت رکھتا ہے، جیسا کہ تحویل قبلہ کی دوسری آیت میں صاف وضاحت ہے، فرمان الٰہی ہے: وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ

أُمَّةً وَسَطاً لِّتَكُونُواْ شُهَدَاء عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيداً (سورة البقرہ:۱۴۳) ترجمہ:''اوراسی طرح ہم نے تم کوامتِ وسط بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر(آخرالزماں)تم پر گواہ بنیں''۔

قرآن مجید کی آیات کے عمومی مطالعہ اور بطور خاص تحویل قبلہ کی آیات کا مطالعہ کرنے سے متحرک امت کے درج ذیل خصائص ابھر کر سامنے آتے ہیں:

اول: متحرک امت ایک متحد امت ہوتی ہے:

متحرک امت اس بات پر ایمان رکھتی ہے کہ اس کا رب ایک ہے، اس مضبوط نسبت کے سبب یہ امت متحد ہوتی ہے، اس کا قبلہ ایک ہے، اوراس کے علم وعمل کا اساسی مصدر جس کے سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا، وہ وحی الٰہی ہے، یہی وجہ ہے کہ جب بیت المقدس کی جانب رخ کرنے کو کہا گیا تو پوری امت نے اس حکم پر لبیک کہا، اور جب کہا گیا کہ دائمی قبلہ یعنی خانہ کعبہ کی جانب پلٹ آؤ تو اس وقت رکوع کی حالت میں ہوتے ہوئے، بلاتأمل اس حکم کی تعمیل کی، اوراس طرح انہوں نے رب کے اوامر ونواہی کے سامنے مطلق سمع وطاعت کی ایک نادر تصویر پیش کی۔ یہی توحید امت کے اتحاد کا بنیادی سبب ہے چنانچہ متحرک امت کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک متحد امت ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں محض بندہ کے دل اور عقیدہ پر معاملہ یونہی نہیں چھوڑ دیا گیا، بلکہ اس کو یومیہ خارجی اعمال کا بھی پابند بنایا گیا، بندۂ مسلم خواہ وہ زمین کے کسی بھی گوشے میں ہو پانچ وقت کی نمازوں اور فرض، سنت اور مندوب نمازوں میں بیت اللہ الحرام کی جانب رخ کرتا ہے۔ یہ بار بار عقیدے کی یاددہانی، اور عمل کی تکرار اس لیے ہے تاکہ ہر بندۂ مسلم کے ذہن وفکر میں یہ بات اچھی طرح بیٹھ جائے کہ وہ توحید کا علمبردار ہےاور ایک متحد امت سے اس کا رشتہ ہے، یہی وجہ ہے کہ ان آیات میں کعبہ کی جانب رخ کرنے کا

متعدد بار حکم دیا گیا۔شیخ محمد المکی الناصری نے اپنی کتاب ''التیسیر فی احادیث التفسیر'' (۱:۹۴) میں کتنی پیاری بات کہی ہے، وہ کہتے ہیں کہ مسجد حرام کی جانب رخ کرنے سے متعلق حکم میں تکرار پائی جاتی ہے، اس تکرار کو تین مراحل میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(۱) فرمان الٰہی: **فَوَلِّ وَجْهَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَام** (البقرہ:۱۴۴)، اس آیت کا رخ ان لوگوں کی جانب ہے جو کعبہ کا بنظر خود مشاہدہ کرتے تھے۔

(۲) فرمان الٰہی: **وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ** (البقرہ: ۱۴۹۔۱۵۰)، یہ اس شخص کے لیے ہے جو مسجد حرام سے نکل گیا ہو اور ابھی مکہ میں ہو، تاہم کعبہ اس کی نظروں سے دور ہو۔

(۳) فرمان الٰہی: **وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّواْ وُجُوهَكُمْ شَطْرَه** (البقرہ:۱۴۴)، اس آیت کا رخ ان لوگوں کی جانب ہے جو دیگر ممالک اور شہروں میں رہتے ہیں۔

خانہ کعبہ امت کے لیے ایک اعتقادی، قانونی اور عملی مرکز ہے، اس مرکز کو اللہ رب العزت کی وسیع وعریض دنیا میں ہر جگہ بار بار ذہنوں میں تازہ کیا جاتا ہے۔

دوم: یہ علمی سبقت رکھنے والی امت ہوتی ہے:

لفظ علم قرآن میں ۸۶۵/ مرتبہ آیا ہے۔ لفظ التذکر ۱۸۴/ مرتبہ آیا ہے۔ لفظ السوال (سوال نصف علم ہے) ۱۲۹/مرتبہ آیا ہے۔ عقل ۴۹/مرتبہ آیا ہے۔ التدبر ۴۴/مرتبہ آیا ہے۔ ربانی ہدایات اور نبوی نصائح کا یہ عظیم ذخیرہ علمی پہلو سے حد درجہ اہتمام کا طالب ہے، تاکہ ایک ایسی توانا اور مضبوط امت کی بنیاد ڈالی جائے جو انسانی منفعت کے لیے علم، ایجادات اور انکشافات کے میدان میں کارنامے انجام دینے والی ہو۔ یہ ایک عجیب معاملہ ہے کہ دوسرے جزء کے پہلے چوتھائی میں 'علم' کا مادہ آٹھ دفعہ مذکور ہے، جبکہ معرفت دو مرتبہ اور تلاوت ایک مرتبہ،

لہذا اگر ہم ایک متحرک اور لوگوں پر گواہی دینے والی امت کی تشکیل چاہتے ہیں تو یہ ضروری ہے کہ علم شرعی، سائنس، ٹکنالوجی، طب، انجینئرنگ اور دوسرے نافع علوم کو اصلاح کی بنیاد بنائی جائے اور ہم علمی سبقت رکھنے والی امت بن جائیں، جیسا کہ اسلامی تہذیب پوری انسانیت کے لیے مشعل نور تھی اور پورے عالم میں اس کی علمی سبقت اور پیش رفت کے دونوں پہلوؤں، یعنی تہذیبی و مادی اور اخلاقی دونوں ہی پہلوؤں کے چرچے تھے۔ یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ ہم کو اس وقت تک ذرا بھی قیادت نصیب نہیں ہو سکے گی جب تک کہ ہم اس علمی خزانہ پر قبضہ نہ کرلیں جو اس وقت اغیار کے ہاتھوں میں ہے اور پھر اس کو اسلامی رنگ نہ دے لیں، جہاں مادیت اور روحانیت کے درمیان توازن پایا جاتا ہے، مال و دولت کے ساتھ قدریں وابستہ رہتی ہیں، قوانین کا رشتہ تربیت سے ہوتا ہے، اہداف وسائل سے جڑے ہوتے ہیں۔

سوم: اس کے پاس تزکیہ کا اپنا ایک **مکمل** نظام ہوتا ہے:

تزکیہ کا مطلب نمو اور بڑھوتری ہوتا ہے، تحویل قبلہ سے ماقبل ربع جزء (چوتھائی) میں ابراہیمؑ اور ان کی پیاری دعا کا ذکر ہے: **رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ العَزِيزُ الحَكِيم۔** (البقرہ: ۱۲۹) ترجمہ: "اے پرودگار ان (لوگوں) میں انہیں میں سے ایک پیغمبر مبعوث فرمانا جو ان کو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کرے اور کتاب اور دانائی سکھایا کرے اور اُن (کے دلوں) کو پاک صاف کیا کرے بیشک تو غالب اور حکمت والا ہے"۔

اللہ تعالی نے ان کی ہر ایک چیز سے متعلق دعا قبول فرمائی اور تزکیہ کو ترتیب میں تلاوت اور علم کے مابین رکھا، نیز قرآن کی بیس آیتوں میں تزکیہ سسٹم پر زور دیا گیا، مثال کے طور پر:

الف: **قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا۔ وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا** (الشمس: ۹۔۱۰)

ب:قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّى۔ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى (الاعلی:۱۴۔۱۵)

ج:وَمَن تَزَكَّى فَإِنَّمَا يَتَزَكَّى لِنَفْسِهِ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيْر (فاطر:۱۸)

تزکیہ کا مطلب ہوتا ہے کہ انسانی صلاحیت اور اہلیت، افراد اور اداروں کی اہلیت اور صلاحیت کو روحانی، اخلاقی، عقلی، معاشرتی اور مادی پہلوؤں سے توازن کے ساتھ پروان چڑھایا جائے، اس طور پر کہ تزکیہ کے نظام سے پورا معاشرہ حرکت میں آجائے، اس کا آج کا دن گزرے ہوئے کل سے بہتر ہو، اور آنے والا دن آج کے دن سے بہتر ہو، یہی حقیقی ارتقاء ہے، نہ کہ یہ صورتیں جو آج عام ہوتی جارہی ہیں جہاں علمی تزکیہ تو ہوتا ہے، لیکن اخلاقی تزکیہ نہیں ہو پاتا، یا یہ دونوں تو ہوتے ہیں لیکن جسمانی اور مادی تزکیہ نہیں ہو پاتا، یا پھر سب کچھ ہوتا ہے لیکن روحانی تزکیہ نہیں ہو پاتا۔

چہارم: یہ آزاد اور خودمختار ہوتی ہے:

تحویل قبلہ سے ماقبل آیات میں ایک ہی آیت دومرتبہ ایک ہی الفاظ میں مذکور ہے، فرمان الٰہی ہے: **تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ وَلاَ تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُون** (سورۃ البقرہ:۱۳۴، ۱۴۱) ترجمہ: ''یہ جماعت گزر چکی ان کو (وہ ملے) گا جو انہوں نے کیا اور تمہیں وہ جو تم نے کیا اور جو عمل وہ کرتے تھے اُن کی پرسش تم سے نہیں ہوگی''۔

یہ اعتقادی خودمختاری ہے، اس کے بعد تشریعی خودمختاری آتی ہے یعنی تحویل قبلہ، تاکہ اس امت کے پاس تمام مقدسات کی میراث جمع ہوجائے، کیونکہ مسجد حرام انسانوں کے عبادت کرنے کے لیے تعمیر کیا جانے والا پہلا گھر ہے، یہ انبیاء کرام کا قبلہ رہا ہے، اور وحی کے ایک بڑے حصے کا نزول وہیں ہوا ہے اور متعدد آیات میں اس کی جانب رخ کرنے کا ذکر ہے یہاں تک کہ انسان اگر شمال بعید یا جنوب بعید میں ہو، یا مشرق بعید یا مغرب بعید میں ہو، جہاں کہیں بھی ہو اس

کا قبلہ یہی ایک ہے۔ اس سے مسلمانوں کو دوسروں کے بالمقابل ایک خاص رنگ اور امتیاز نصیب ہوتا ہے، اس طرح وہ قلبی اور جسمانی طور پر قبلہ سے وابستہ ہوجاتے ہیں، کعبہ سے، مسجد سے اور اس شہر سے جو مسجد حرام کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہے۔ مسلمان تعبدی شعائر، اخلاقی انحرافات اور اعتقادی اوہام وخرافات کے سلسلہ میں کسی یہودی، عیسائی، مجوس، ہندو، کمیونسٹ یا لادینی کا کسی بھی معمولی سے معمولی چیز میں بھی تابع اور پیروکار نہیں بن سکتا۔ اس امت کے اندر یہ قدرت ہے کہ وہ عالمی منظرنامہ پر خود اپنا ایک مقام بنا سکتی ہے، اس طرح وہ نہ تو کسی کے پیچھے رہے گی اور نہ ہی ممالک کے ازدحام اور بھیڑ بھاڑ میں گم ہوجائے گی۔ اس امت کو پورے عالم میں ایک متحرک اور گواہ امت بننا ہے اور اپنے دین کو پورے عالم میں غالب کرنا ہے، اس بات کو قرآن کی مختلف آیات میں بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے:

۱۔فرمان الٰہی ہے: **هُوَ الَّذِیْ أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُون** (التوبه:۳۳، الصف:۹) ترجمہ: ’’وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تا کہ اس (دین) کو (دنیا کے) تمام دینوں پر غالب کرے اگر چہ کافر ناخوش ہی ہوں‘‘۔

۲۔ایک دوسری جگہ ارشاد باری ہے: **كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْراً لَّهُم مِّنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ** (آل عمران:۱۱۰) ترجمہ: ’’(مومنو!) جتنی امتیں لوگوں میں پیدا ہوئیں تم اُن سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور بُرے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہلِ کتاب بھی ایمان لے آتے تو اُن کیلئے بہت اچھا ہوتا۔ اُن میں ایمان لانے والے بھی ہیں (لیکن تھوڑے) اور اکثر نافرمان ہیں‘‘۔

عقیدہ، شریعت، اقدار اور اخلاق کی یہ خودمختاری ہی ہے جو امت اسلامیہ کے ہر ہر فرد

کواس بات پر ابھارتی ہے کہ وہ اپنی امت کوتقویت پہنچانے ،اس کی بنیاد مضبوط کرنے ،اس کے اخلاق کوتقویت بخشنے،اس کی معیشت کومضبوط کرنے ،اس کے میڈیا کو پاک صاف کرنے ،اس کے مدارس اور جامعات میں اضافہ کرنے اور امت کے افراد کے درمیان خیر وبھلائی کو عام کرنے کے لیے بھر پور سعی وجہد کرے۔ یہ امت اپنے لگائے ہوئے پودے سے شکم سیر ہوتی ہے۔اپنے ہاتھوں سے تیارشدہ لباس زیب تن کرتی ہے۔ یہ لوگوں کو دینے والی امت ہے دست سوال دراز کرنے والی امت نہیں ہے۔ یہ نئی نئی ایجادات کرتی ہےاورنئی نئی راہیں تلاش کرتی ہے نہ کہ دوسروں کے پیچھے چلتی اور دوسروں کی اتباع کرتی ہے۔ ایک ایسی امت جو پیداوار میں اضافہ کرنے والی ہوتی ہے نہ کہ دوسری تہذیبوں کے بچے کھچے کواستعمال اور برباد کرتی ہے۔اس کی طرح طرح کی ایجادات ہیں،مختلف نئی نئی دریافتیں ہیں،مختلف فنون اور کلچرل سرگرمیاں ہیں،لیکن جو کچھ بھی ہے، وہ بے حجابی اورعریانیت ، بدکاری اور مےنوشی سے پاک ہے،اس کا عالمی وجوداورتاریخی اثرورسوخ ہے،مسلمانوں کے درمیان بھی اور دوسروں کے درمیان بھی۔

فصل ثانی

جامد امت کے خصائص

اول: جامد امت کاعقیدہ فاسد ہوتا ہے:

جامد امت کا ایمان ایک ایسے خدا پر ہوتا ہے جو اپنے ماننے والوں اور پیروکاروں کی مدد اورنصرت سے عاجز ہوتا ہے،فرمان الٰہی ہے:**مَن كَانَ يَظُنُّ أَن لَّن يَنصُرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ لِيَقْطَعْ فَلْيَنظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهُ مَا يَغِيظُ** (سورۃ الحج: ۱۵) ترجمہ:''جوشخص یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ اس کو دنیا اورآخرت میں مدد نہیں دے گا تو

اُس کو چاہئیے کہ اوپر کی طرف (یعنی اپنے گھر کی چھت میں) ایک رسی باندھے پھر (اس سے اپنا) گلا گھونٹ لے پھر دیکھے کہ آیا یہ تدبیر اُس کے غصے کو دُور کر دیتی ہے؟''، یا اس کا ایمان ایک ایسے رب پر ہوتا ہے جو تخلیق کا حق تو رکھتا ہے لیکن اپنے احکام نافذ کرنے کا اسے کوئی حق نہیں ہوتا، یا اس امت کا خیال ہوتا ہے کہ ذرائع آمدنی قلیل ہیں، بچوں کو کھلانے کے لیے یہ رزق کافی نہیں ہے لہذا وہ انسانی پیداوار کو کنٹرول کرنے کے لیے تحدید نسل کا فارمولہ شروع کر دیتی ہے، چنانچہ اس کی معیشت پیچھے ہٹتی چلی جاتی ہے اس اعتقاد کے ساتھ کہ ذرائع کی قلت ہے یا مغربی کلچر کا غلبہ اور تسلط ہے، بہرصورت وہ بہتر یہ سمجھتے ہیں کہ ہر باہر سے آنے والی چیز کو قبول کر لیا جائے۔

یا یہ مکمل طور سے توکل کرنے والی امت ہوتی ہے اسباب کے سلسلہ میں یہ قضا اور قدر کے عقیدے کو گلے لگاتی ہے اور نتائج کے سلسلہ میں چھوڑ دیتی ہے۔ یہ نئی نئی چیزوں کی ایجاد، اجتہاد، طلب علم، اور لوگوں کی تعلیم سے غافل رہتی ہے، اس طرح سے یہ ابن الوقت افراد کی امت ہوتی ہے جو مکمل طور سے تابع اور حاشیہ بردار ہوتی ہے، حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس جمود اور پسماندگی کی حالت سے ہوشیار فرمایا ہے، ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: عالم بن کر زندگی گزار و یا طالب علم بن کر، ابن الوقت نہ بن جانا (اعلام الموقعین: ۲:۱۶۰)۔

جامد امت کے افراد انسانوں کے رب کے مقابلہ میں انسانوں کا زیادہ خوف رکھتے ہیں، پھر نہ تو یہ برائی کو برائی کہتے ہیں اور نہ ہی بھلائی کی دعوت دیتے ہیں، نہ ظالم کو اس کے ظلم سے باز رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ ہی کسی بے یار و مددگار کو پناہ دیتے ہیں، نہ کسی آوارہ اور گم راہ فرد کو نصیحت کرتے ہیں اور نہ کسی یتیم کی کفالت کرتے ہیں، نہ کسی سردار اور امور مملکت کے ذمہ دار کو اچھی باتوں کی نصیحت کرتے ہیں اور نہ ہی کسی کمزور شخص پر رحم کھاتے ہیں، اور نہ ہی کسی یتیم، مسکین اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں، الغرض منفی سوچ ان کا شعار ہوتی ہے، الگ تھلگ رہنا ان کی عادت ہوتی ہے اور یہ لوگ مرض بن جاتے ہیں جو امت کے دل، رگ و ریشہ اور اس کے مختلف حصوں میں پھیل جاتا ہے۔

جامد امت کے اندر بدشگونی، وہم، خوف اور جلد بازی کے عقائد گھر کر جاتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس ایمان سے بہت دور ہوتے ہیں، حالانکہ اسی کے نتیجے میں امن وچین نصیب ہوتا ہے، اللہ رب العزت کا فرمان ہے: **الَّذِينَ آمَنُواْ وَلَمْ يَلْبِسُواْ إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ أُوْلَئِكَ لَهُمُ الأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ** (الانعام: ۸۲) ترجمہ: ''جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو (شرک کے) ظلم سے مخلوط نہیں کیا اُن کیلئے امن (اور جمعیت خاطر) ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں''۔

دوم: ان کی عقلیں جمود کا شکار ہوتی ہیں:

جامد امت کی عقلیں جمود کا شکار ہوتی ہیں، فکر وتدبر کے معاملہ میں، علم وتفکر کے سلسلہ میں، ایجادات واختراعات کے باب میں، ان کے درمیان جہالت نسبتاً عام ہوتی ہے، فارغ اوقات کی شرح کافی زیادہ ہوتی ہے، لوگوں کو دیکھئے تو وہ چائے خانہ، قہوہ خانہ اور کھیل کود کی جگہوں پر اکٹھا رہیں گے، ان کے یہاں کتب خانے نہیں ہوں گے، کام کرنے کے لیے صنعت خانے نہیں ہوں گے، ان کے پیٹ بھرے ہوں گے اور ان کی عقلیں خالی ہوں گی، ان کے دل ہوا ہوں گے، علم میں ان کا حصہ پھلوں کے چھلکے کے بقدر ہوگا، جہالت میں وہ درخت کی جڑ کے مالک ہوں گے، زیب وزینت کی چیزیں ان کے یہاں خوب ملیں گی، لیکن عمارت کی بنیادیں ان کے یہاں بہت کمزور ہوں گی۔

سوم: ان کے دل سخت ہوتے ہیں:

جامد امت کے یہاں وہ دل نہیں ہوتے کہ جن سے وہ بلندیوں کا خواب دیکھیں، اللہ کی رضامندی اور جنت کے طالب ہوں، راتوں کے قیام اور دن کے روزوں اور دن رات کے اذکار سے ان کو اطمینان حاصل ہو۔ بلکہ ان کے دل سخت ہوتے ہیں اور اللہ رب العزت کا فرمان

ہے:فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُم مِّن ذِكْرِ اللَّهِ (الزمر: ٢٢)۔

یہ امت مادی چیزوں میں ڈوبی رہتی ہے، ایمان کے سوتے اس کے یہاں خشک رہتے ہیں، اس کی مساجد ویران پڑی رہتی ہیں، اس کے بازار بھرے پڑے رہتے ہیں، اس کے اخبارات ورسائل عریانیت، جھوٹ اور فحش چیزوں سے معمور ہوتے ہیں، اس کے ٹی وی اسکرین فتنوں اور برائیوں کی آماجگاہ بنے رہتے ہیں، وہ زندگی گزارنے کے طور طریقوں میں اپنے دشمن کے اندھے مقلد ہوتے ہیں، اور اپنے رب غفور ورحیم کی اطاعت سے دور بھاگتے ہیں۔

جامد امت میں حاکم محکوم کے تعلق سے سنگ دل ہوتا ہے اور محکوم حاکم کے تعلق سے۔ بڑا چھوٹے کے تعلق سے اور چھوٹا بڑے کے تعلق سے۔ شوہر بیوی کے تعلق سے اور بیوی شوہر کے تعلق سے۔ باپ بیٹے کے تعلق سے اور بیٹا باپ کے تعلق سے۔ پڑوسی پڑوسی پر اور ایک شریک دوسرے شریک پر چڑھ دوڑنا چاہتا ہے، اور مقروض قرض لوٹانے سے انکار کر دیتا ہے، قرض دار اپنے وعدے سے انکار کر بیٹھتا ہے، امانتوں میں خیانت ہوتی ہے، نادانی عام ہوتی ہے، نیکیاں کم ہوتی جاتی ہیں اور برائیوں میں مستقل اضافہ ہوتا رہتا ہے، محرمات عام ہو جاتے ہیں، ایک بحران سے جب نجات ملتی ہے تو کئی بحران درپیش ہوتے ہیں، اللہ رب العزت کی جانب سے ان کی کوئی رہنمائی نہیں ہوتی، رسول ﷺ کی کوئی ہدایت ان کے سامنے نہیں ہوتی، مشرق ومغرب اور شمال وجنوب کے درمیان یہ حیران ہو کر رہ جاتے ہیں، مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذَلِكَ لاَ إِلَى هَـؤُلاء وَلاَ إِلَـى هَـؤُلاء (سوره النساء: ١٤٣) ترجمہ: ”بیچ میں پڑے لٹک رہے ہیں نہ ان کی طرف (ہوتے ہیں) نہ اُن کی طرف“۔

چھارم: یہ ایک منتشر امت ہوتی ہے:

جامد امت کے اندر سچی اخوت کی جگہ مذموم عصبیت جگہ بناتی جاتی ہے، اس میں

وحدت اور الفت کی جگہ تفرقہ اور اختلاف کی آگ بھڑکتی ہے، اس میں اعتقادی روابط کی جگہ مسلک غالب رہتا ہے، وہ اسلامی تہذیب کے بالمقابل اپنی جاہلی تاریخ کو مضبوطی سے پکڑے رہتے ہیں اوراس پر انہیں فخر ہوتا ہے۔ان کے اندر خودغرضی ہوتی ہے، ایثار نہیں ہوتا۔ وہ کفار کے فریب کی طرف لپکتے ہیں اور بصیرت اورقوت رکھنے والوں سے دوری اختیار کرتے ہیں۔ ان کی ساری لڑائیاں اپنے بھائیوں سے ہوتی ہیں، اور ان کی ساری بھلائیاں غیروں کے لیے ہوتی ہیں۔ وہ کفار کے لیے ریشم کی طرح نرم ہوتے ہیں اور مومنین کے لیے وہ کافی سخت واقع ہوتے ہیں۔ ہر غلط آواز پر کان دھر لیتے ہیں اور اللہ سبحانہ وتعالی جس نے ان کی تخلیق کی ہے اس کی ہدایت سے وہ روگردانی کرتے ہیں۔

☆☆☆

باب سوم

ہمارا قبلہ اور جمود سے ارتقاء کی طرف

اول: قبلہ توحید خالص کی علامت بن جائے۔

دوم: قبلہ مضبوط وحدت کی علامت بن جائے۔

سوم: قبلہ امن وامان کی علامت بن جائے۔

چہارم: قبلہ وسطیت اوراعتدال کی علامت بن جائے۔

۱۔عقیدہ میں اعتدال

۲۔اخلاق میں اعتدال

۳۔شریعت میں اعتدال

پنجم: قبلہ ایک علامت بن جائے اسلامی مقدسات کے سلسلہ میں ذمہ داریوں کے تعلق سے

باب سوم

ہمارا قبلہ اور جمود سے ارتقاء کی طرف

صورتحال تلخ ہونے کے باوجود سچا مومن پر امید ہوتا ہے اور جہد و عمل سے پیچھے نہیں ہٹتا، وہ نتائج کا معاملہ زمین و آسمان کے رب کے حوالہ کر دیتا ہے، تاکہ وہ کوئی اپنی تدبیر کرے، نشانیوں کو کھول کھول کر بیان کرے، اسباب مہیا کرے نیز فرشتوں اور معجزات کو نازل کرکے ان لوگوں کی مدد فرمائے جنہوں نے مایوسی کو اپنے قریب نہ آنے دیا، امید کا دامن تھامے رکھا، ساتھ ہی ساتھ اپنی جدوجہد جاری رکھی اور اللہ رب العزت پر مکمل طور سے توکل اور اعتماد کرتے رہے: وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُم فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئاً۔ (سورہ النور: ۵۵) ترجمہ: ''جولوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے اُن سے اللہ کا وعدہ ہے کہ اُن کو ملک کا حاکم بنادے گا جیسا اُن سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا اور اُن کے دین کو جسے اُس نے ان کیلئے پسند کیا ہے مستحکم و پائیدار کرے گا اور خوف کے بعد ان کو امن بخشے گا، وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی اور کو شریک نہ بنائیں گے''۔

ذیل میں چند امور کا ذکر ہے جو ہمارے قبلہ کو ایک علامت، ایک امید اور ایک عمل کی شکل دے کر امت کو ایک متحرک امت میں تبدیل کر سکتے ہیں۔

اول: قبلہ توحید خالص کی علامت بن جائے:

کعبہ توحید کی ایک علامت ہے، اس توحید کی علامت جو شرک کی تمام مخفی اور واضح آلائشوں سے پاک ہے، ذیل میں اس سے متعلق چند اہم دلائل پیش ہیں:

ا۔فرمان الٰہی ہے:وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَن لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئاً وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُود (الحج:۲۶) ترجمہ:''اور(ایک وقت تھا) جب ہم نے ابراہیم کیلئے خانہ کعبہ کومقام مقرر کیا (اورارشادفرمایا) کہ میرے ساتھ کسی چیز کوشریک نہ کرنا اورطواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں (اور) سجدہ کرنے والوں کیلئے میرے گھر کوصاف رکھا کرو''۔

۲۔اللہ رب العزت نے سورہ حج کی ابتدا میں مناسک حج سے پہلے عقیدۂ خالص کی بات کہی ہے،سورہ کی ابتدا قیامت اور بعث بعد الموت سے ہوئی ہے کہ اللہ ہی حق ہے، وہی مارتا اور جلاتا ہے اور وہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والانہیں ہے، اسی کے ساتھ ساتھ ملامت ہے ان لوگوں پر جو اللہ کے سوا ان چیزوں کو پکارتے ہیں جو نہ انہیں نقصان پہنچاسکتی ہیں اور نہ ہی فائدہ: (يَدْعُو مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُ وَمَا لَا يَنفَعُهُ ذَلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيد (الحج:۱۲) ترجمہ:''یہ اللہ کے سوا ایسی چیز کو پکارتا ہے جو نہ اُسے نقصان پہنچائے اور نہ اُسے فائدہ دے سکے یہی تو پرلے درجے کی گمراہی ہے''،اسی طرح اس بات پر بھی زور دیا گیا ہے کہ اللہ اپنے مومن بندوں کی مدد کرتا ہے، وہ خدائے بزرگ و برتر عنقریب تمام ہی مذاہب اور ادیان کے افراد کے سلسلہ میں خواہ وہ یہود ہوں،عیسائی یا مجوس ہوں، اپنا فیصلہ سنادے گا،اور پھر بیان کیا گیا کہ پوری کائنات اللہ تعالی کی تسبیح بیان کررہی ہے، تمام آسمان وزمین، شمس وقمر، ستارے اور پہاڑ، درخت، چوپائے اور بہت سے انسان اللہ رب العزت کے سامنے سربسجود ہیں اور بہت سے لوگ

ایسے بھی ہیں جن کے سلسلہ میں عذاب کا فیصلہ ہوگیا ہے، اسی ذات برتر کے ہاتھ میں ہے کہ نافرمانوں کوجہنم رسید کرے اور فرمانبرداروں کو جنت نصیب فرمائے، یہ تمام باتیں سورہ حج میں مناسک حج کے بیان اور لوگوں کو حج کا حکم دینے سے پہلے کہہ دی گئی ہیں۔

۳۔مناسک حج کے متعلق گفتگو کی ابتدا میں بہت ہی صاف اور واضح انداز میں توحید خالص اور مناسک حج کی ادائیگی کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے، یہ بات اللہ رب العزت کے اس فرمان سے واضح ہوکر سامنے آتی ہے:ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۔ ذَلِكَ وَمَن يُعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ عِندَ رَبِّهِ وَأُحِلَّتْ لَكُمُ الْأَنْعَامُ إِلَّا مَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ۔ حُنَفَاء لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاء فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ (الحج: ۲۹ تا ۳۱) ترجمہ:''پھر چاہئے کہ لوگ اپنا میل کچیل دُور کریں اور نذریں پوری کریں اور خانہ کعبہ (یعنی بیت اللہ) کا طواف کریں۔یہ (ہمارا حکم ہے) اور جوشخص ادب کی چیزوں کی جو اللہ نے مقرر کی ہیں عظمت رکھے تو یہ اللہ کے نزدیک اس کے حق میں بہتر ہے۔اور تمہارے لئے مویشی حلال کر دیئے گئے ہیں سواء اُن کے جو تمہیں پڑھ کر سنائے جاتے ہیں تو بتوں کی پلیدی سے بچو اور جھوٹی بات سے اجتناب کرو ۔صرف ایک اللہ کے ہوکر اور اُس کیساتھ شریک نہ ٹھہرا کر اور جوشخص (کسی کو) اللہ کیساتھ شریک مقرر کرے تو وہ گویا ایسا ہے جیسے آسمان سے گر پڑے پھر اُس کو پرندے اچک لے جائیں یا ہوا کسی دُور جگہ اُڑا کر پھینک دے''۔

قربانی کے جانور اور ہدی کے تعلق سے گفتگو میں بھی توحید سے متعلق واضح نص موجود ہے،فرمان الٰہی ہے:وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكاً لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَى مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَإِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ (سورہ الحج: ۳۴)

ترجمہ:''اورہم نے ہرایک اُمت کیلئے قربانی کا طریقہ مقرر کردیا ہے تاکہ جو مویشی چارپائے اللہ نے اُن کو دیئے ہیں (اُن کے ذبح کرنے کے وقت) اُن پر اللہ کا نام لیں سو تمہارا معبود ایک ہی ہے اُسی کے فرمانبردار ہوجاؤ اور عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری سنادو''۔

اسی طرح فرمان الٰہی ہے: لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَكِن يَنَالُهُ التَّقْوَى مِنكُمْ كَذَلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْن ۔(سورہ الحج: ۳۷) ترجمہ:''اللہ تک نہ اُن کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون بلکہ اُس تک تمہاری پرہیزگاری پہنچتی ہے، اسی طرح اللہ نے اُن کو تمہارا مسخر کردیا ہے تاکہ اس بات کے بدلے کہ اُس نے تمہیں ہدایت بخشی ہے، اُسے بزرگی سے یاد کرو اور (اے پیغمبر!) نیکوکاروں کو خوشخبری سنادو''۔

یہ اس ربط وتعلق کے محض چند نمونے ہیں جو توحید خالص اور مناسک حج کے درمیان پایا جاتا ہے۔

۴۔سیرت نبوی میں سب سے بڑی ربانی فتح شرک اور بت پرستی کا خاتمہ تھا جو کعبہ کے اطراف، اور مسجد حرام کے اندر اور باہر جاری تھی، اس سلسلہ میں ایک مکمل سورہ نازل ہوئی، جو بسم اللہ سے خالی ہے اور اس میں اس سے سخت اظہار برأت کیا گیا، فرمان الٰہی ہے: بَرَاءةٌ مِّنَ اللّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِيْنَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِيْن. فَسِيْحُواْ فِيْ الأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُواْ أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِيْ اللّهِ وَأَنَّ اللّهَ مُخْزِيْ الْكَافِرِيْنَ. وَأَذَانٌ مِّنَ اللّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الأَكْبَرِ أَنَّ اللّهَ بَرِيْءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُولُهُ فَإِن تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُواْ أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِيْ اللّهِ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُواْ بِعَذَابٍ أَلِيْم (سورہ التوبہ: ۱ تا ۴) ترجمہ:''اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے مشرکوں میں سے جن سے تم نے عہد کر رکھا تھا اعلان برأت ہے۔ تو (مشرکو! تم) زمین میں چار

مہینے چل پھر لو اور جان رکھو کہ تم اللہ کو عاجز نہ کر سکو گے اور یہ بھی کہ اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے، اور حج اکبر کے دن اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ اللہ مشرکوں سے بیزار ہے اور اس کا رسول بھی (ان سے دستبردار ہے) پس اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر نہ مانو (اور اللہ سے مقابلہ کرو) تو جان رکھو کہ تم اللہ کو ہرا نہیں سکو گے، اور (اے پیغمبر!) کافروں کو دردناک عذاب کی خبر سنا دو"۔

نبی ﷺ کے حکم کے مطابق حضرت علیؓ اس اعلان کو لے کر مکہ گئے تھے، امام دارمی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ "میں علی بن ابی طالبؓ کے ساتھ تھا جب رسول ﷺ نے ان کو قاصد بنا کر بھیجا تھا، انہوں نے وہاں چاروں چیزوں کی منادی کی، یہاں تک کہ ان کی آواز بیٹھ گئی، (انہوں نے اعلان کیا کہ) سن لو جنت میں صرف مومن شخص ہی داخل ہو سکے گا، اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کر سکے گا، کعبہ کا طواف کوئی شخص بھی عریانیت کے ساتھ نہیں کرے گا اور جس کا بھی اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ کوئی عہد ہے تو اس کو چار ماہ کی مہلت کی ہے جب چار ماہ گزر جائیں تو اس کے بعد اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بری الذمہ ہے (سنن دارمی۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: النھی عن دخول المشرک المسجد الحرام، حدیث نمبر: ۱۴۰۲)۔

اس امت کے شعائر میں جن پر انہیں فخر حاصل رہے گا اور جن سے وہ تجاوز نہیں کر سکتی ہے یہ بات داخل ہے کہ مسجد حرام کے قریب کوئی مشرک نہیں پھٹک سکے گا، کیونکہ فرمان الہی ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلاَ يَقْرَبُواْ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَـذَا وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللّهُ مِن فَضْلِهِ إِن شَاء إِنَّ اللّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ** (سورہ التوبہ: ۲۸) ترجمہ: "مومنو! مشرک تو پلید ہیں تو اس برس کے بعد وہ خانہ کعبہ کے پاس نہ جانے پائیں اور اگر تمہیں مفلسی کا خوف ہو تو اللہ چاہے گا تو تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا بیشک اللہ سب کچھ جانتا (اور) حکمت والا ہے"۔

حقیقت واقعہ یہ ہے کہ آج کے شرک میں محض وہ صنم نہیں ہیں جونصب کر دیئے گئے ہوں اور ان کومحسوس کیا جاتا ہو، بلکہ وہ بے لگام شہوانی خواہشات، بے مہار امنگوں اور مال ودولت کے ڈھیر اور اس منصب وجاہ کی شکل میں موجود ہے جس کی جانب لوگ اللہ کی ناراضگی کے باوجود لپکتے ہیں اور مشرکین کے پیچھے کسی منفعت کی طلب یا کسی نقصان کے خوف سے دوڑتے پھرتے ہیں۔اللہ رب العزت دلوں کے اس شرک کا انکشاف کرتے ہوئے فرماتا ہے:إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَوْثَاناً وَتَخْلُقُونَ إِفْكاً إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقاً فَابْتَغُوا عِندَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ إِلَيْهِ تُرْجَعُون۔ (العنکبوت: ۱۷)
ترجمہ:''تم تو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے اور بہتان باندھتے ہو تو جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو وہ تمہیں رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے پس اللہ ہی کے ہاں سے رزق طلب کرو اور اُسی کی عبادت کرو اور اُسی کا شکر ادا کرو اُسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے''۔

یہ امور ہم سے مطالبہ کرتے ہیں کہ صدق دل سے ہم اس سوال پر غور کریں کہ کیا ہمارا عقیدہ خالص ہے، ان تمام رشتوں اور بندھنوں سے جو اللہ کے سوا ہیں،خواہ وہ ملکی اور معاشرتی ہوں یا پھر خاندان اور افراد سے متعلق ہوں، جن میں سے بعض مکارم ترک کر دینے پر ابھارتے ہیں اور اعتقادی، اخلاقی اور شرعی اصولوں کے برخلاف اللہ کے دشمنوں کی اتباع کی دعوت دیتے ہیں۔

دوم: قبلہ مضبوط وحدت کی علامت بن جائے:

ہر وہ اتحاد جس کی بنیاد اللہ رب العزت کی وحدانیت، اس کے تقوی اور اس کی عبودیت پر نہیں ہوتی ہے وہ اتحاد پارہ پارہ ہوکر رہ جاتا ہے، کیونکہ اللہ رب العزت نے اتحاد کو اللہ کی وحدانیت اور خالص عبودیت کے ساتھ ساتھ بیان کیا ہے،فرمان باری تعالی ہے:وَإِنَّ هَـٰذِهِ

أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُون (المومنون: ۵۲) ترجمہ: ''اور یہ تمہاری جماعت (حقیقت میں) ایک ہی جماعت ہے اور میں تمہارا رب ہوں تو مجھ سے ڈرو''۔ دوسری جگہ ارشاد باری ہے: إِنَّ هَـٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُون (الانبیاء: ۹۲) ترجمہ: ''یہ تمہاری جماعت ایک ہی جماعت ہے اور میں تمہارا رب ہوں تو میری ہی عبادت کیا کرو''۔

جب ہم کہتے ہیں کہ خانہ کعبہ توحید خالص کی علامت ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ توحید خالص امت کو اعتقادی وحدت سے صفوں کے اتحاد تک لے جاتی ہے، پھر ہر مسلم خواہ وہ زمین کے کسی بھی گوشے سے تعلق رکھتا ہو، دن میں کم از کم پانچ دفعہ اور کم از کم سترہ رکعت فرض نمازیں اور تقریباً تیرہ رکعت نفل نمازیں جو رمضان میں بیس سے زائد ہو جاتی ہیں کعبہ کی جانب رخ کر کے ادا کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ پوری امت قبلہ کے ذریعہ باہم مربوط ہے، یہی وجہ ہے کہ قبلہ کی اصطلاح ایک علامت کی صورت اختیار کر گئی ہے، اور اس حدیث سے بھی اسی جانب اشارہ ملتا ہے جس کی روایت امام بخاریؒ نے حضرت انسؓ سے کی ہے کہ: نبی ﷺ نے قبلہ کے پاس کچھ بلغم دیکھا، تو آپؐ پر یہ بات بہت گراں گزری حتی کہ اس کے اثرات آپ کے چہرے پر بھی نمودار ہو گئے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: 'جب تم میں کا کوئی شخص نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے مناجات کرتا ہے، یا اس کا رب اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے (صحیح البخاری۔ ابواب المساجد۔ باب حک البزاق بالید من المسجد، حدیث نمبر: ۳۹۷)۔

صحیح بات تو یہ ہے کہ اہل قبلہ کی اصطلاح اس حدیث اور دوسری احادیث کی روشنی میں امت کے اتحاد کی ایک علامت بن گئی ہے، اور ایک دائمی امید بن گئی ہے کہ یہ امت اپنی سیاست، معیشت، صحافت، وطن کی تعمیر وترقی، فلاح و بہبود اور اپنے نفوس کے تزکیہ کے سلسلہ میں اتحاد کا ثبوت دے گی۔ کوئی بھی فرد جب تک ہمارے قبلے کی جانب رخ کر کے نماز ادا کر رہا ہے اس وقت تک اسے ملت سے خارج نہیں مانا جا سکتا ہے۔

ذیل کے نکات بھی اسی جانب اشارہ کرتے ہیں کہ قبلہ ایک مضبوط اتحاد کی علامت ہے:

ا۔امام طحاویؒ نے العقیدۃ الطحاویہ میں لکھا ہے کہ:''ہم اپنے قبلے والوں کو مسلم یا مومن کہتے ہیں جب تک کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیمات کو مانتے ہیں اور آپؐ نے کسی چیز کی خبر دی یا کچھ فرمایا، اس کی تصدیق کرتے ہیں''۔

۲۔ابن تیمیہ نے فتاوی میں لکھا ہے کہ:''اہل سنت والجماعت کا یہ متفق علیہ مذہب ہے اور جس کی دلیل قرآن وسنت میں موجود ہے کہ وہ کسی اہل قبلہ کی کسی بھی گناہ کے نتیجے میں تکفیر نہیں کرتے اور نہ ہی اسے کسی ایسے کام کے سبب اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں جس سے منع کیا گیا تھا، مثال کے طور پر زنا کاری، چوری، شراب نوشی وغیرہ۔ جب تک کہ وہ ایسا عمل نہ کر دے جس سے معلوم ہو جائے کہ وہ ان چیزوں پر ایمان لانے سے انکار کر رہا ہے جن پر ایمان لانے کا رب نے حکم دیا ہے مثلاً: اللہ پر ایمان، اس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں اور بعث بعد الموت پر ایمان۔ ایسی صورت میں اس کی تکفیر کی جائے گی''۔

گرچہ مسالک اور گروہوں نے امت کو زبردست تفرقہ میں ڈال رکھا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آپس میں جنگ وجدال، نفرت اور بہتان تراشیاں جاری ہیں، دنیا میں پہلا خون جو گرتا ہے وہ ایک مسلمان کا خون ہوتا ہے جو ایک مسلمان ہی کے ہاتھوں ہوتا ہے اور اس کو بین الاقوامی طاقت کا، خواہ کھلے عام یا خفیہ طور پر، تعاون حاصل ہوتا ہے، لیکن ان سب کے باوجود امید کی کرن باقی رہتی ہے کہ امت اپنے تمام اختلافات کے ہوتے ہوئے بھی اپنے قبلے کے سلسلہ میں متفق ہے، پورے عالم میں کوئی ایک بھی مسلمان ایسا نہیں ملے گا جو کعبہ کے بجائے کسی اور جانب رخ کر کے نماز ادا کرنے کی دعوت دیتا ہو۔ ان شاءاللہ یہ ہمیشہ ہمیش کے لیے اتحاد کی ایک علامت بنا رہے گا ان لوگوں کے لیے جو اختلافات کا شکار ہو گئے، اور مسلکی اور گروہی عصبیت کی تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں، جنھوں نے انسانوں اور جنوں میں سے ان کی آواز پر لبیک کہا جو شیاطین

ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار پر کان دھرنے کے بجائے تفرقے اور اختلاف کا شکار ہو گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر تفرقہ کے پیچھے ایک غلط فہمی ہوا کرتی ہے اور ہر بہنے والے خون کے پیچھے ایک ایسی تاریک عقل کارفرما ہوتی ہے جو تکفیر کا کام کرتی ہے، کیونکہ ایک مسلمان کسی بھی مومن شخص کا خون نہیں کرسکتا، کیونکہ یہ جہنم میں اس کے خلود (ہمیشہ ہمیش رہنے) کا سبب بن جاتا ہے۔فرمان الٰہی ہے: وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِناً مُّتَعَمِّداً فَجَزَآؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِداً فِيهَا وَغَضِبَ اللّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَاباً عَظِيماً (سورہ النساء: ۹۳) ترجمہ: ''اور جو شخص مسلمان کو قصداً مار ڈالے گا تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ (جلتا) رہے گا اور اللہ اس پر غضبناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا اور ایسے شخص کیلئے اُس نے بڑا (سخت) عذاب تیار کر رکھا ہے''، لیکن اس کا حال یہ ہے کہ وہ اس کو جانتے بوجھتے قتل کر دیتا ہے، گویا وہ سمجھتا ہے کہ ایک کافر کو قتل کر رہا ہے، یہ ایک انتہائی خطرناک معاملہ ہے اور اس فکر سے ماخوذ ہے جو شبہہ کی بنیاد پر ہی تکفیر کی قائل ہے، معصیت کی بنیاد پر مسلمان کو خارج از ملت قرار دے دیتی ہے، جو ہر چیز کو اعتقادی امور سے جوڑ دیتی ہے گرچہ وہ زبان یا عمل کی کوئی لغزش ہی کوئی نہ ہو، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف واقعات میں صحابہ کے ساتھ اس کے برعکس معاملہ کیا ہے، چنانچہ لازم ہے کہ ہم بھی اس کا اعتراف کریں اور اسے تسلیم کرلیں، ذیل میں چند روایتیں مذکور ہیں:

(۱) صحیح مسلم میں ابن عمرؓ کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم میں سے جس شخص نے بھی اپنے بھائی کو کافر کہہ کر پکارا، تو اس کے نتیجے میں کوئی ایک ہلاکت کا شکار ہو جاتا ہے، جس شخص کو کہا ہے اگر وہ ایسا ہے تو ٹھیک، ورنہ اس کا وبال اسی شخص پر آئے گا جس نے یہ بات کہی ہے (صحیح مسلم، باب بیان حال ایمان من قال لأخیہ المسلم یا کافر، (۲:۴۲) حدیث نمبر: ۱۷۸)۔

(۲) صحیح مسلم میں اسامہ بن زیدؓ کی روایت ہے کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک

سریہ پر روانہ کیا، ہم نے صبح تڑکے جہینۃ پر یلغار کردی، معرکہ میں ایک آدمی میرے ہاتھ لگا اور لا الہ الا اللہ پڑھنے لگا، پر میں نے اس کو نیزہ مار دیا، لیکن میرے دل میں اس کے تعلق سے کافی بے چینی ہوئی تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا، تو آپؐ نے فرمایا: کیا تم نے لا الہ الا اللہ کہنے کے باوجود اس کو قتل کر دیا، کہتے ہیں میں نے کہا: اے اللہ کے رسول اس نے ایسا ہتھیار کے خوف سے کہا تھا۔ اس پر نبیؐ نے فرمایا کہ کیا تم نے اس کا دل پھاڑ کے دیکھا تھا کہ تم جان گئے کہ اس نے یہ کہا تھا یا نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل مجھ سے یہ بات کہتے رہے، یہاں تک کہ میں تمنا کرنے لگا کہ کاش میں نے اسی دن اسلام قبول کیا ہوتا (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم قتل الکافر بعد ان قال لا الہ الا اللہ، حدیث نمبر: ۹۶)۔

(۳) صحیح بخاری میں حضرت علیؓ کی روایت ہے، کہتے ہیں: رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے، زبیر اور مقداد بن اسود کو ایک مہم پر روانہ کرتے ہوئے کہا: تم یہاں سے کوچ کر جاؤ، روضہ خاخ پر جب تم پہنچو گے تو تمہیں ایک سانڈنی سوار عورت ملے گی جس کے پاس ایک خط ہے تم اسے قبضہ میں لے کر یہاں آجانا۔ ہم لوگ گھوڑے پر سوار ہو کر بہت تیز رفتاری کے ساتھ روانہ ہو گئے، روضہ خاخ پر جب ہم پہنچے تو ہمیں ایک سانڈنی سوار عورت دکھائی دی، ہم نے اس سے کہا کہ جو خط تیرے پاس ہے وہ ہمارے حوالے کر دو، اس نے صاف انکار کر دیا کہ میرے پاس کوئی خط نہیں ہے، ہم نے کہا غلط کہتی ہے تیرے پاس یقیناً خط ہے، اگر تو خوشی خوشی نہ دے گی تو ہم جامہ تلاشی کر کے زبردستی وہ خط تجھ سے چھین لیں گے۔ اب وہ عورت سٹپٹائی اور آخر اس نے اپنی چٹیا کھول کر اس میں سے وہ پرچہ نکال کر ہمارے حوالہ کر دیا۔ ہم اسی وقت وہاں سے واپس روانہ ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسے پیش کر دیا، پڑھنے پر معلوم ہوا کہ حضرت حاطبؓ نے اسے لکھا ہے اور یہاں کے حالات کی خبر دی ہے، اور حضورؐ کے ارادوں سے کفار کو آگاہ کیا ہے، آپ نے کہا حاطب یہ کیا حرکت ہے؟ حضرت حاطب نے فرمایا کہ اے اللہ کے رسول! جلدی نہ کیجئے،

میری بھی سن لیجئے، میں قریشیوں میں ملا ہوا تھا، خود قریشیوں میں سے نہ تھا، پھر آپ پر ایمان لاکر آپ کے ساتھ ہجرت کی، جتنے اور مہاجرین ہیں ان سب کے قرابت دار مکہ میں موجود ہیں جوان کے بال بچے وغیرہ مکہ میں رہ گئے ہیں وہ ان کی حمایت کرتے ہیں لیکن میرا کوئی رشتہ دار نہیں جو میرے بچوں کی حفاظت کرے اس لیے میں نے چاہا کہ قریشیوں کے ساتھ کوئی احسان کردوں جس کے سبب وہ میرے بچوں کی حفاظت کریں اور جس طرح اوروں کے نسب کی وجہ سے ان کا تعلق ہے میرے احسان کی وجہ سے میرا تعلق قائم ہو جائے۔ اے اللہ کے رسول! میں نے کوئی کفر نہیں کیا ہے، نہ اپنے دین سے مرتد ہوا ہوں، نہ اسلام کے بعد کفر پر راضی ہوا ہوں، اس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو حاطب نے سچ کہا ہے۔ حضرت عمرؓ وہاں موجود تھے انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ مجھے اجازت دیجئے میں اس منافق کی گردن اتار دوں۔ رسولؐ نے جواب دیا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ بدری صحابی ہیں اور بدر والوں پر خدائے تعالی نے کرم فرمایا، اس کا فرمان ہے "جو چاہو عمل کرو میں نے تمہیں بخش دیا ہے" (صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب الجاسوس وقول اللہ لا تتخذ واعدوی وعدوکم ۔۔، حدیث نمبر: ۲۸۴۵)۔

(۴) غزوہ احد کے موقع پر چالیس صحابہ کرامؓ نے ایک قطعی حکم جو معنی اور ثبوت ہر دو اعتبار سے قطعی تھا اس کی مخالفت کی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان سے کہا تھا کہ تم میں سے کوئی اپنی جگہ ہرگز نہ چھوڑے خواہ تم دیکھو کہ ہمیں جنگلی پرندے نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں، (تاہم انہوں نے جگہ چھوڑ دی) لیکن ان کی اس سنگین مخالفت کے باوجود قرآن نے ان کو کافر نہیں قرار دیا بلکہ اس سلسلہ میں وارد آیات گناہوں کی بنیاد پر تکفیر کے عدم جواز کے سلسلہ میں عملی مثال پیش کرتی ہیں۔ ان آیات کے ذریعہ اللہ رب العزت نے ہمیں یہ بھی سبق دیا ہے کہ دوسروں کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جائے۔ اللہ رب العزت نے ان لوگوں کے متعلق فرمایا: إِنَّ الَّـذِيـنَ تَـوَلَّـوْا مِـنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ

عَـنۡهُـمۡ إِنَّ اللّهَ غَفُورٌ حَلِيُم (آل عمران: ۱۵۵) ترجمہ:''جولوگ تم میں سے (اُحد کے دن) جب کہ (مومنوں اور کافروں کی) دو جماعتیں ایک دوسرے سے گتھ گئیں (جنگ سے) بھاگ گئے تو اُن کے بعض افعال کے سبب شیطان نے اُن کو پھسلا دیا مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کا قصور معاف کر دیا بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا (اور) بردبار ہے''۔

(۵) قرآن مجید کا فرمان ہے کہ مسلمان اگر چہ میدان جنگ میں اپنے بھائی کے بالمقابل کھڑا ہوجائے پھر بھی اس سے اسلام کی نفی کرنا جائز نہیں ہے: وَإِن طَـائِـفَتَـانِ مِـنَ الۡـمُـؤۡمِنِيۡنَ اقۡتَتَلُوا فَأَصۡلِحُوا بَيۡنَهُمَا فَإِن بَغَتۡ إِحۡدَاهُمَا عَلَى الۡأُخۡرَى فَقَاتِلُوا الَّتِيۡ تَبۡـغِـيۡ حَتَّى تَفِيۡءَ إِلَى أَمۡرِ اللَّهِ فَإِن فَاء تۡ فَأَصۡلِحُوا بَيۡنَهُمَا بِالۡعَدۡلِ وَأَقۡسِطُوا إِنَّ الـلَّهَ يُحِبُّ الۡمُقۡسِطِيۡن (سوره الحجرات: ۹) ترجمہ:''اوراگر مومنوں میں سے کوئی دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرادو اور اگر ایک فریق دوسرے پر زیادہ کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے پس جب وہ رجوع کرے تو دونوں فریق میں مساوات کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف سے کام لو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے''۔امام بخاریؒ نے کتاب الایمان کے ایک باب کے عنوان کے طور پر اس آیت کو ذکر کیا ہے اور اس کے بعد لکھا کہ ''فسماهم المومنين''یعنی آپس میں ان کے خونی معرکہ کے باوجود قرآن نے ان کے وصف ایمانی کی نفی نہیں کی ہے جبکہ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم شبہات کی بنیاد پر ہی تکفیر کر ڈالتے ہیں۔

ہم ہر اس شخص سے جس کے یہاں کچھ عقل اور دین موجود ہے، یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اہل قبلہ کی تکفیر اور اس انسان کی عزت اور تکریم کو نشانہ بنانے کے سلسلہ میں محتاط رویہ اختیار کرے، کیونکہ انسان کو اس عزت اور تکریم سے اس کے رب نے نوازا ہے، ارشاد قرآنی ہے: وَلَـقَـدۡ كَـرَّمۡـنَـا بَـنِـيۡ آدَمَ وَحَـمَـلۡـنَـاهُـمۡ فِيۡ الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ وَرَزَقۡنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ

وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا (الاسراء: ۷۰) ترجمہ:''اورہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اوران کو جنگل اور دریا میں سواری دی اور پاکیزہ روزی عطا کی اوراپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی''۔ہمیں بار بار اور خوب اچھی طرح اس سلسلہ میں اپنا جائزہ لینے کی ضرورت ہے تا کہ ہمارا قبلہ وہ اساسی بنیاد اور مرکز بن جائے جس کی جانب دل اور نگاہیں لپکتی ہیں،اورایک اتحاد قائم ہو جس میں طاقت وقوت رکھنے والے اور عقل وبصیرت رکھنے والے،اورشہری و دیہاتی ہر قسم کے افراد شامل ہوں،اور یہ تمام لوگ مل کران تمام خطرات اور سازشوں کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہوجائیں، جوشریر اور فاجر دشمنوں کی جانب سے دن رات ہمارے اوپر منڈلاتے رہتے ہیں،ممکن ہے اس طرح ہمیں اللہ رب العزت کی بارگاہ میں نجات حاصل ہوجائے گی، کہ وہ طاقت وقوت کا مالک اور عفوودرگزر کرنے والا ہے!!

سوم: قبلہ امن وامان کی علامت بن جائے:

رب کائنات نے کعبہ کے لیے تمام نوع انسانیت کے دلوں میں ایک عظمت اور توقیر بیٹھارکھی ہے،حتی کہ مشرکین عرب جس وقت شرک اور پرستی میں لت پت تھے اس وقت بھی جب وہ خانہ کعبہ کی تعمیر کرنے چلے تو انہوں نے یہ پابندی لگادی تھی کہ اس میں کسی حرام مال،سود کے مال،یاظلم وزیادتی کے ذریعہ حاصل ہونے والے مال کو استعمال نہیں کیا جائے گا۔وہ بیت حرام کی حرمت اور مسجد حرام اوراس کے اطراف میں قتال کی حرمت پربھی متفق تھے،اسلام نے بھی اس پاکیزہ عرف کو باقی رکھا،اس طرح ہر جاندار مخلوق اس جگہ محفوظ ومامون ہوگئی۔اور ہر انسان اور چرندو پرند اس جگہ سے انسیت اور لگاؤ رکھنے لگا،فرمان الٰہی ہے:

(۱) لِإِيْلَافِ قُرَيْشٍ ۔إِيْلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ ۔فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَـذَا الْبَيْتِ ۔الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْف (سورہ قریش) ترجمہ:

’’قریش کی مانوس کرنے کے سبب۔ یعنی ان کو جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس کرنے کے سبب۔ لوگوں کو چاہئے کہ (اس نعمت کے شکر میں) اس گھر کے مالک کی عبادت کریں۔ جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف سے امن بخشا‘‘۔

(۲) وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنا (البقرہ:۱۲۵) ترجمہ: ’’اور جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے لیے محفوظ پناہ گاہ اور امن پانے کی جگہ مقرر کیا‘‘۔

(۳) يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ لاَ تَقْتُلُواْ الصَّيْدَ وَأَنتُمْ حُرُمٌ (سورہ المائدہ: ۹۵) ترجمہ: ’’مومنو! جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار نہ مارنا‘‘، مطلب کہ شکار تک اس سرزمین میں مامون رہتے ہیں۔

(۴) لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِن شَاء اللَّهُ آمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُؤُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُونَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِن دُونِ ذَلِكَ فَتْحاً قَرِيْباً (سورہ الفتح:۲۷) ترجمہ: ’’بیشک اللہ نے اپنے پیغمبر کو سچا (اور) صحیح خواب دکھایا کہ تم اللہ نے چاہا تو مسجد حرام میں اپنے سر منڈوا کر اور اپنے بال کتر وا کر امن وامان سے داخل ہو گے اور کسی طرح کا خوف نہ کرو گے جو بات تم نہیں جانتے تھے اس کو معلوم تھی، سو اس نے اس سے پہلے ہی جلد فتح کرا دی‘‘۔

اس امن وامان کا اندازہ دنیا کے مال ودولت سے نہیں لگایا جا سکتا، ایک دہشت کے مارے انسان کے سامنے اگر یہ پیشکش رکھی جائے کہ وہ اپنی تمام دولت حوالہ کر دے، اس طرح اس کے اہل وعیال اور مال ودولت محفوظ رہیں گے تو وہ اس امن وامان کے حصول کی راہ میں جو کچھ بھی رکھتا ہے، اسے قربان کرنے کے لیے تیار ہو جائے گا۔ قبلہ اپنے مقام، سرزمین اور تاریخ کے اعتبار سے امن وامان کی ایک علامت ہے، اسی قبلہ سے امن وامان کی وہ روشنی اٹھی تھی جو سارے عالم میں عام ہوگئی، لیکن انسان کا کیا جائے کہ وہ خود اپنی پریشانیوں میں اضافہ کرتا ہے،

جب وہ دوسروں پر زیادتی کرتا ہے تو اس امن وامان میں خود بخود کمی واقع ہو جاتی ہے، پھر اس کا وبال اسی کے اوپر آتا ہے، حتی کہ ایک توانا اور دولت مند شخص جب دوسروں پر زیادتی کرتا ہے اور ان کے چین وسکون کو غارت کر دیتا ہے، تو ساتھ ہی ساتھ اپنے چین وسکون کو بھی خیر آباد کہہ ڈالتا ہے کیونکہ اس کے دل میں یہ خیال رہتا ہے کہ وہ شخص اس سے انتقام لے کر رہے گا، لہذا اس کو اپنی حفاظت کرنی ہوگی، اس طرح اس کی راتوں کی نیند حرام ہو جاتی ہے، اب وہ ڈر اور خوف کی وجہ سے مارا مارا پھرتا ہے، لیکن اگر یہی شخص دوسروں کے درمیان خواہ اس کے قریبی ہوں یا دور کے، عدل وانصاف کا معاملہ کرے تو انسانوں کا رب خود اس کی حفاظت کرے گا، لوگوں کی محبت اس کا دفاع کرے گی اور امن وامان کے ساتھ داد عیش دے سکے گا۔

خاندان، معاشرے اور وطن میں امن کے قیام کی کوشش ایک ذمہ داری ہے، جو ہر انسان پر عائد ہوتی ہے، ضرورت ہے کہ وہ اس ذمہ داری کو ادا کرے، دوسروں کے حقوق اور خصوصیات کا خیال رکھے، جو شخص بھی اس ذمہ داری کو ادا کرے گا، وہ اس امن سے مستفید ہوگا، اور جو امن وہ دوسروں کو فراہم کر رہا ہے، اس سے پہلے خود اس کو مستفید ہونے کا موقع ملے گا اور اس میں خدائے رحمٰن کی جانب سے کئی گنا اضافہ بھی کر دیا جائے گا۔

چہارم: قبلہ وسطیت اور اعتدال کی علامت بن جائے:

قبلہ اور وسطیت یا اعتدال کا ربط بالکل واضح ہے، قرآن میں امت کو امت وسط صرف ایک ہی جگہ کہا گیا ہے اور وہ مسجد حرام سے مسجد اقصی کی جانب تحویل قبلہ کے ضمن میں، ارشاد خداوندی ہے: **سَيَقُولُ السُّفَهَاء مِنَ النَّاسِ مَا وَلاَّهُمْ عَن قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُواْ عَلَيْهَا قُل لِّلّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ۔ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً لِّتَكُونُواْ شُهَدَاء عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيداً**

(سورہ البقرہ: ۱۴۲۔ ۱۴۳) ترجمہ: ''احمق لوگ کہیں گے کہ مسلمان جس قبلے پر (پہلے سے چلے آتے) تھے (اب) اس سے کیوں منہ پھیر بیٹھے؟ تم کہہ دو کہ مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کا ہے وہ جس کو چاہتا ہے سیدھے رستے پر چلاتا ہے۔ اور اسی طرح ہم نے تم کو امتِ معتدل بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر (آخر الزماں) تم پر گواہ بنیں''۔

لفظ ''وَ کَـذَلِکَ'' میں واؤ عطف سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ یہود اور منافقین کی اس کھلی دشمنی کا مقابلہ اگر ممکن ہے تو وسطیت اور اعتدال سے ہے نہ کہ غلو سے۔ کیونکہ یہ ایسی امت کی بنیادی خصوصیات میں شامل ہے جو لوگوں پر گواہ بنائی گئی ہے اور اس کو پورے عالم کی قیادت کرنی ہے۔

اعتدال کے پہلو کو اسلام کی اساسیات یعنی عقیدہ، اخلاق اور شریعت وغیرہ میں واضح طور سے بیان کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ ذیل میں مذکور ہے:

(۱) اسلامی عقیدے میں اعتدال:

(الف) توحید ایک معتدل اور وسطی چیز ہے، یہ کمیونسٹ اور دہریوں کی طرح نہ تو الوہیت کی نفی ہے جیسا کہ ان کے بارے میں قرآن پاک کا ارشاد ہے: **وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ** (سورہ الجاثیہ: ۲۴) ترجمہ: ''اور کہتے ہیں کہ ہماری زندگی تو صرف دنیا ہی کی ہے کہ (یہیں) مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں تو زمانہ مار دیتا ہے''۔ اور نہ ہی اس میں یہود اور نصاریٰ کی طرح متعدد خداؤں کی بات ہے، جیسا کہ قرآن پاک کا ارشاد ہے: **وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتْ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ ذَلِكَ قَوْلُهُم بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِؤُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُواْ مِن قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ أَنَّى يُؤْفَكُون** (سورہ التوبہ: ۳۰) ترجمہ: ''اور یہود کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائی کہتے

ہیں کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں یہ اُن کے منہ کی باتیں ہیں، پہلے کافر بھی اسی طرح کی باتیں کہا کرتے تھے یہ بھی اُنہیں کی ریس کرنے لگے ہیں، اللہ ان کو ہلاک کرے یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں''، خود ہندوؤں پر ایک نظر ڈالئے تو ان کے یہاں خدائے واحد و برتر کی ذات کو چھوڑ کر ۳۸۰ ملین خداؤں کی پرستش ہوتی ہے، لیکن اسلام اپنے معتدل اور وسطی عقیدے کے مطابق اللہ رب العزت کی وحدانیت کا نعرہ بلند کرتا ہے اور اسلام کی یہی تعلیم تمام انبیاء کرام کی تعلیم تھی، فرمان الٰہی ہے: وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِيْ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ۔ (سورہ الانبیاء: ۲۵) ترجمہ: ''اور جو پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے اُن کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری ہی عبادت کرو''۔

عقیدہ کا اسلامی اعتدال ہی ہے کہ یہ موجودہ زمانے میں بھی انتہا پسندی کے رجحانات کے درمیانی شکل پیش کرتا ہے:

۱۔ کمیونزم اپنی ابتدا یعنی ۲۳؍۱۰؍ ۱۹۱۷ء سے آج تک (اپنے باقی ماندہ افراد کے ذریعہ) اس بات کا اعلان کرتا رہا ہے اور اس پر ایمان رکھتا ہے کہ کوئی خدا نہیں ہے اور زندگی نام ہے مادے کا، کائنات کا کوئی خالق نہیں ہے، ہمیں اللہ تعالی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ عجیب وغریب طفلانہ عقلیت ہے کہ جو ان کی آنکھیں دیکھتی ہیں، ہاتھ محسوس کرتے ہیں اور وہ ناک سے سونگھتے ہیں، اسی چیز پر وہ ایمان رکھتے ہیں۔

۲۔ سیکولرزم میں خالق کے وجود کا انکار نہیں ہے، لیکن وہاں اس بات پر ایمان ہوتا ہے کہ خالق کو امر و نہی اور تشریع کا کوئی حق نہیں ہے، ان کا خدا ایک بے بس خدا ہے جیسا کہ ارسطو نے کہا تھا کہ 'اس نے کائنات کی تخلیق کی اور پھر اسے چھوڑ دیا کہ وہ قوانین فطرت کے مطابق چلتی رہے'۔ اب اس کے بعد وہ ایسے ایسے قوانین بناتے ہیں جو تمام مذاہب کے برخلاف ہوتے ہیں، جس میں بدکاری کو جواز فراہم کیا جاتا ہے، حاجت مندوں کو مزید محتاج بنا دیا جاتا ہے اور

کمزوروں کا استحصال ہوتا ہے۔

اسلام میں ایمان باللہ کا عقیدہ اسی وقت مکمل ہوتا ہے جب کہ اللہ کو حاکم اور خالق دونوں تسلیم کرلیا جائے، فرمان خداوندی ہے: أَلاَ لَهُ الْخَلْقُ وَالأَمْر (سورہ الاعراف: ۵۴) ترجمہ: ''دیکھو سب مخلوق بھی اُسی کی ہے اور حکم بھی (اُسی کا ہے)''، جس نے کائنات کی تخلیق کی ہے تنہا اسی کا یہ حق ہے کہ جس بات سے روکنا ہو روکے اور جس بات کا حکم دینا ہے حکم دے، اور یہ ایک صحیح اور ایک فاسد عقیدے کے درمیان جوہری فرق ہے، بیہقی کی روایت ہے، حضرت عدی بن حاتمؓ کہتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، میری گردن میں سونے کی صلیب پڑی ہوئی تھی، عدی کہتے ہیں کہ میں نے ان کے بارے میں سن رکھا تھا کہ وہ اہل کتاب کے متعلق کہتے ہیں کہ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو رب بنا رکھا ہے، اس پر آپؐ نے فرمایا: ہاں! اللہ نے جو چیزیں حرام قرار دی ہیں ان کو حلال کر ڈالتے ہیں اور جس چیز کو حلال قرار دیا ہے اس کو حرام کر دیتے ہیں، یہی ان کا عبادت کرنا ہے (سنن بیہقی کبری، باب مایقضی بہ القاضی ویفتی بہ المفتی فانہ غیر جائز لہ ان۔۔۔حدیث نمبر: ۲۰۹۳۱)۔

اس حدیث میں سورہ توبہ کی اس آیت کی تفسیر ہے، اتَّخَذُواْ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُواْ إِلاَّ لِيَعْبُدُواْ إِلَـهاً وَاحِداً لاَّ إِلَـهَ إِلاَّ هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُون (سورہ توبہ: ۳۱) ترجمہ: ''انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے سوا معبود بنا لیا حالانکہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اُسکے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے''۔

اس وقت سب سے بنیادی مطالبہ یہی ہے کہ اللہ رب العزت کے حق تشریع اور حق امر ونہی پر ایمان مکمل ہونا چاہئے، بندہ اپنے رب کا ایسا مطیع ہو جائے کہ اس کی اطاعت میں محبت بھی ہو اور خوف بھی، امید بھی ہو اور ڈر بھی، رغبت بھی ہو اور ہیبت بھی، ایسا نہ ہو کہ خواہشات

نفسانی کے مطابق شریعت پر عمل کرنے لگ جائے، مثال کے طور پر نفقہ میں بیوی کا حق ہے، وہ اس حق کی تو طالب ہو لیکن شوہر کی قوامیت کو نہیں مانتی ہو، یا اس کے برعکس شوہر بیوی کو مطیع فرمان تو دیکھنا چاہتا ہو لیکن وہ اسے نان نفقہ نہیں دیتا ہو، اسی طرح حکام، محکومین اور تجارت وغیرہ میں حصہ داروں کے متعینہ حقوق کا مسئلہ ہے، فرمان الٰہی ہے: فَلاَ وَرَبِّکَ لاَ یُؤْمِنُونَ حَتَّیَ یُحَکِّمُوکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لاَ یَجِدُواْ فِیْ أَنفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُواْ تَسْلِیْما (سورہ النساء: ٦٥) ترجمہ: ''تمہارے رب کی قسم! یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کردو اُس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اُس کو خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے''۔

اس طرح اسلام کا عقیدہ اپنے اندر وسطیت اور اعتدال کی ایک صاف، اعلی اور بہترین تصویر رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان مسلمانوں کے لیے جن کے دل کعبہ سے ہمہ وقتی وابستگی رکھتے تھے، یہ کوئی انوکھی بات نہیں تھی کہ انہیں بیت المقدس کی جانب رخ کرنے کا حکم دیا جائے اور وہ فوراً اس حکم کو بجالائیں، پھر ان کو خانہ کعبہ (بیت اللہ الحرام) کی جانب رخ کرنے کا حکم دیا جائے تو وہ اس کی بھی اطاعت کریں اور رکوع ہی کی حالت میں پلٹ کر کعبہ کی جانب رخ کرلیں۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ ہمیں فی الوقت ربانی احکام اور نبوی ہدایات کے سلسلہ میں اسی سمع وطاعت کی ضرورت ہے، خاص طور سے جب کہ وہ احکام مخالف ہوں:

(١) ان خواہشات نفسانی کے جو شریعت کے برخلاف ہوں

(٢) غلط عرف (رسم ورواج) کے

اس بات کو بزرگ عالم دین شیخ عبدالکافی 'الطبع والشرع' کا نام دیتے ہیں کہ جب انسان طبیعت کی مخالفت کرتے ہوئے شریعت کی پابندی کرتا ہے تو وہ سچا مومن ہے اور اگر وہ طبیعت کا پابند ہوتا ہے اور شرعی احکام کی پابندی نہیں کرتا ہے تو وہ فریب خوردہ منافق ہے۔

۲۔اسلامی اخلاق میں اعتدال:

اسلام اخلاقیات میں بھی اعتدال کی شاندار مثال پیش کرتا ہے، ذیل کی سطور میں اس کی وضاحت کی جائے گی:

شجاعت بزدلی اور انتہا پسندی کے درمیان کی چیز ہے، نہ تو یہ درست ہے کہ مومن بزدل ہو، ڈر اور خوف کا شکار رہے اور نہ یہ درست ہے کہ مومن انتہا پسند اور ہجومی ہو، بلکہ قلب میں شجاعت ہو اور عقل میں حکمت و دانائی ہو۔ حکماء کہا کرتے ہیں کہ 'جذباتیت کے رجحانات پر عقل و بصیرت کی لگام ڈال رکھو'۔ اس حکمت کے لیے یہ ضروری ہے کہ دل میں جب کچھ کر بیٹھنے کے لیے جذبات کا تلاطم اٹھے تو اس وقت سوچ سمجھ کر قدم اٹھایا جائے گرچہ وہ قدم کسی خیر کے کام کی جانب کیوں نہ اٹھایا جائے۔ سعد بن ابی وقاصؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ نے اسی کا التزام کیا تھا، وہ صبر سے کام لیتے رہے اور اقامت صلوۃ اور دوسرے اقدامات سے باز رہے، یہاں تک کہ جب مناسب وقت آ گیا تو اللہ رب العزت کی جانب سے جہاد کا حکم نازل ہوا۔ آج کی سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ ضعف، ارادہ کی کمزوری، بزدلی اور گھبراہٹ امت کے سواد اعظم پر غالب ہے، اس کی اصل وجہ مختلف قسم کے اندیشے ہیں، یہ کبھی جاہ و منصب کے سلسلہ میں لاحق ہوتے ہیں، کبھی بال بچوں کے سلسلہ میں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کتمان حق کرنے لگتا ہے، باطل سے لو لگاتا ہے، دوسروں کی اندھی تقلید کرتا ہے، اللہ کے دشمنوں اور منافقین کو خوش رکھنے میں لگا رہتا ہے، اس طرح سے اعلی اور مبنی بر اعتدال مکارم اخلاق کا وہ منکر بن جاتا ہے۔ اسی طرح انفاق میں بھی میانہ روی کا رویہ اختیار کرنا چاہیے کہ نہ تو بخل سے کام لیا جائے اور نہ ہی فضول خرچی سے، بلکہ صحیح راہ وہ ہے جو مومنین اور رحمٰن کے بندوں کی ہے، فرمان الٰہی ہے: وَالَّذِيْنَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَاما (سورہ الفرقان:٦٧) ترجمہ: ''اور

جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا اڑاتے ہیں اور نہ تنگی کو کام میں لاتے ہیں بلکہ اعتدال کیساتھ نہ ضرورت سے زیادہ نہ کم''۔

۳۔شریعت میں اعتدال:

شرعی احکام میں بھی اعلی درجہ کا اعتدال پایا جاتا ہے، اس میں نہ تو محض مادیت پائی جاتی ہے اور نہ ہی محض رہبانیت ہے، نہ تو سختی اور قساوت ہے اور نہ ہی تساہل ہے، شرعی احکام میں اس سے متعلق واضح اشارات موجود ہے:

(الف) اصول یہ ہے کہ جتنی مشقت اٹھاؤ گے، اتنا ہی فائدہ حاصل ہوگا، اور انسان جس قدر منفعت حاصل کرتا ہے اسی قدر اس کو برداشت کرنے کے لیے تیار رہنا چاہئے، یہ بات سمجھ سے باہر ہے کہ ایک شخص اپنی اولاد پر جب وہ چھوٹی ہو تو خوب خرچ کرے اور پھر جب وہ ادھیڑ عمر ہو جائے تو اس کی اولاد اسے بڑھاپے کی وحشت، امراض اور فقر وفاقہ کی حالت میں بے یارو مددگار چھوڑ دے، اسی طرح یہ بات بھی سمجھ سے باہر ہے کہ بیوی اپنے شوہر اور بچوں کے گھر بیٹھ کر ان کی دیکھ بھال کرتی رہے اور نہ تو اس کا خیال رکھا جائے اور نہ مناسب رعایت کی جائے۔ اسی طرح ایک فرد اپنے وطن کی آب وہوا، کھانے پینے، علم اور مال ودولت اور امن وامان سے تو محظوظ ہوتا رہے لیکن اپنے شباب اور تونگری کے دور میں نہ تو اپنے وطن کے تحفظ کے لیے کچھ کرے اور نہ ہی اس کے دفاع، اس کی ترقی اور فلاح و بہبود کے لیے کچھ کرے۔

(ب) عورتوں کے تعلق سے مخصوص شرعی احکام بھی ضرورت سے زیادہ پابندیوں اور حدود وقیود سے مکمل آزادی کے برخلاف وسطیت اور اعتدال پر مبنی ہیں، اس طرح کہ اسلام ان کو اس بات کی اجازت تو دیتا ہے کہ وہ گھر سے نکلیں، تعلیم حاصل کریں، تجارت اور دوسرے کاموں میں مشغول رہیں، معاشرہ کی تعمیر میں اپنی رائے اور ذہن وفکر کے ساتھ شریک ہوں، لیکن اسی کے

ساتھ اسلام نے ان کو اس بات کا بھی پابند بنایا کہ وہ حجاب کا التزام کریں، کسی غیر کے ساتھ خلوت میں نہ رہیں، باتوں میں نرم رویہ نہ اختیار کریں، پیر مار کر نہ چلیں اور ہمیشہ ترجیح اپنے شوہر اور بچوں کی دیکھ بھال کو دیں۔

(ج) غیر مسلموں سے تعلقات کے سلسلہ میں بھی اسلام اعتدال پر مبنی تعلیم دیتا ہے، نہ تو ان پر زیادتی کا روادار ہے اور نہ ہی ان کے ساتھ علیحدگی کا رویہ اختیار کرنا چاہتا ہے، بلکہ اس وقت تک اچھا اور معتدل سلوک اختیار کرتا ہے جب تک کہ وہ ہم پر چیرہ دستی نہیں کرتے یا چیرہ دستوں کا ساتھ نہیں دیتے۔ اسی طرح تقلید اور اتباع کے سلسلہ میں نہ تو علیحدگی پسندی کا قائل ہے اور نہ ہی لوگوں سے دوری اور کنارہ کشی اختیار کرنے کا، بلکہ اس کے بالمقابل ایک پیغامبر اور امانت کے علمبردار کا رویہ مطلوب ہے۔ جہاں کہیں بھی حکمت کی بات دکھائی پڑے وہ خود کو اس کا سب سے زیادہ حقدار سمجھتا ہے۔ وہ بھلائی کو عام کرنے اور دوسروں کو فائدہ پہنچانے کا حریص ہوتا ہے، اس کی روح چھوٹے چھوٹے معاملات اور ادنی درجے کے اخلاق سے بلند تر ہوتی ہے۔ اس کی گفتگو اور خاموشی، اس کا غصہ اور بردباری، اس کا صبر اور شرافت، اس کی حکمت اور بصیرت تمام ہی چیزوں میں بڑی تاثیر ہوتی ہے۔

پنجم: قبلہ ایک علامت بن جائے اسلامی مقدسات کے متعلق ذمہ داریوں کے تعلق سے:

بیت المقدس ہر مسلمان کے دل کی آواز ہے کہ یہ پہلا قبلہ اور تیسرا حرم ہے، یہی وہ مقام ہے جہاں کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے راتوں رات سفر کیا تھا، جس سفر کو اسراء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ قرآنی آیات ہر اس مسلمان کے اندر جس کے ایمان میں کھوٹ نہیں ہے ایک تحریک برپا کرتی ہیں کہ مسجد اقصی کے تعلق سے اپنی ذمہ داریوں کا شعور پیدا کریں کہ آج مسجد اقصی ظالم صہیونیوں کے شکنجہ میں ہے، اور اسی طرح فلسطینی قوم کے تعلق سے بھی اپنی ذمہ داریوں

سے آگاہ ہوں، جن پر کئی دہائیوں سے ظلم وجبر کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں۔ صہیونی طاقتوں کا تو منصوبہ ہے کہ مقدسات اسلامیہ جن میں مسجد حرام اور مسجد نبوی بھی داخل ہیں ان پر قبضہ کیا جائے، اس سلسلہ میں جن نصوص کو میں نے ذکر کیا ہے وہ واضح ہیں، ان کے معانی اور مطالب بھی واضح ہیں کہ وہ ہر عہد میں مسجد حرام سے روکنے کی کوشش کرتے رہے ہیں، خواہ عسکری جنگوں کے ذریعہ یا پھر مادیت اور میڈیا کے فتنوں کو استعمال میں لاتے ہوئے، الغرض ارض مقدسات سے روکنے، اس کی زمینوں پر قابض ہونے اور اس پر تسلط حاصل کرنے کے لیے متعدد حیلے اور تدابیر اختیار کیے جا رہے ہیں۔ امت کے اندر اس سلسلہ میں ایک مستقل بیداری لانے کی ضرورت ہے، ایک ایسی بیداری جو ہر مسلمان کے عقل ووجدان اور دل کی گہرائیوں میں تلاطم برپا کردے۔ قرآن مجید کا فرمان ہے: **لاَ يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ أَن يُجَاهِدُواْ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ۔ إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِيْنَ لاَ يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُون** (سورہ التوبہ: ۴۴۔۴۵) ترجمہ: ''جو لوگ اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ تم سے اجازت نہیں مانگتے (کہ پیچھے رہ جائیں بلکہ چاہتے ہیں کہ) اپنے مال اور جان سے جہاد کریں اور اللہ ڈرنے والوں سے واقف ہے۔ اجازت وہی لوگ مانگتے ہیں جو اللہ پر اور پچھلے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور اُن کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں، سو وہ اپنے شک میں ڈانواڈول ہو رہے ہیں''۔

ایسا نہیں ہے کہ جہاد صرف تلوار ہی سے ہوتا ہے بلکہ اصل چیز زبان سے دعوت ہے اور اسی کی قرآن مجید نے سب سے پہلے تعلیم دی تھی، اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: **فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِيْنَ وَجَاهِدْهُم بِهِ جِهَاداً كَبِيْراً** (سورہ الفرقان: ۵۲) ترجمہ: ''تو تم کافروں کا کہانہ مانو اور ان سے اس قرآن کے حکم کے مطابق بڑے جہاد میں مصروف ہو جاؤ''۔ اس دعوتی جہاد کے میدان میں اب ہر کسی کو آجانا چاہئے کہ قرآنی حقائق اور نبی کی سنت کو عام کریں، امت کو اس

بات پر آمادہ کریں کہ جب دشمن حرمات اور مقدسات پر دراندازی کریں تو ان کے مقابلے میں آہنی دیوار بن جائیں۔ ہم ان کو یونہی نہ چھوڑ دیں کہ وہ ہماری سرزمینوں پر مسلط ہوتے چلے جائیں اور اس زمین کے اصل باشندوں کو وہاں سے نکال باہر کریں، امام الحرمین الجوینی کہتے ہیں کہ جب دشمن سرزمین اسلام پر یلغار کریں تو تمام امت کے اوپر یہ واجب ہوجاتا ہے کہ ان سے جہاد کرے، ہر فرد اپنی استطاعت کے مطابق جہاد کرے تاکہ دشمن اس سرزمین پر قابض نہ ہونے پائے، کیونکہ ان کو آنے سے روک دینا اس بات سے آسان ہے کہ قابض ہوجانے کے بعد ان کے تسلط سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کی جائے، مطلب یہ کہ دشمن جب یلغار کرتا ہے تو اسی وقت اس کا مقابلہ کر کے اس کو آنے سے روک دیا جائے تو یہ کسی قدر آسان ہے اس بات سے کہ جب وہ قدم جمالے اور مضبوطی اختیار کر لے، بنیادیں مضبوط کر لے اور ساری تدابیر اختیار کر لے تو اس وقت اس کو بھگانے کی کوشش کی جائے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ اور احساس امانت سے متعلق ایک ضمیمہ اس کتاب کے آخر میں پیش ہے، جس میں فلسطینی قوم جو زمانے سے ظلم وزیادتی، چیرہ دستی اور حصار بندی کا شکار ہے اس کے تعلق سے امت کی ذمہ داریوں سے متعلق کچھ عملی صورتوں کی تحدید کر دی گئی ہے، تاکہ صہیونی اپنے اس منصوبے میں کامیاب نہ ہونے پائیں کہ ''وہ مسجد اقصی کا انہدام کر کے ہیکل داؤد کی تعمیر کریں گے اور پھر حرمین کی سرزمین کی جانب رخ کریں گے''، اس منصوبہ کو پر اسرار اور علی الاعلان دونوں ہی طریقوں پر وہ انجام دینا چاہتے ہیں۔

☆☆☆

خلاصہ کلام

۱۔ وقتی طور سے پہلا اور دائمی طور سے ہمارا دوسرا قبلہ ہر مومن صادق کے فکر و وجدان اور عقل وقلب میں بہت اونچا مقام رکھتا ہے۔

۲۔ آیات قبلہ سے متعلق قرآن وسنت کے نصوص کا علمی استقراء اور اصولی تجزیہ کرنے سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ یہ دشمنوں کی جانب سے مستقل خطرات کے نرغے میں ہے، مطلب یہ ہے کہ اس پر جب بھی دشمن کی یلغار ہوتو اس کی حفاظت کے لیے میدان میں آجانا اور اس کی حفاظت کے لیے ہمہ دم تیار رہنا لازمی ہے۔

۳۔ باوجود اس کے کہ تحویل قبلہ مسلمانوں کا ایک داخلی معاملہ تھا، کیونکہ یہود، عیسائی اور مشرکین میں سے کسی سے بھی اس بات کا مطالبہ نہیں کیا گیا تھا کہ وہ بیت اللہ الحرام کی جانب رخ کر کے عبادت کریں لیکن پھر بھی ان کی جانب سے اس معاملہ میں خوب شور شرابہ ہوا، اور انہوں نے مسلمانوں کے خلاف ایک بڑا ہنگامہ برپا کردیا، معاملہ یہاں تک پہنچ گیا کہ انہوں نے باری تعالی کی ذات اقدس کے سلسلہ میں بھی نازیبا باتیں کہہ ڈالیں۔

۴۔ دوسری جانب مومنین کا موقف بہت ہی شاندار تھا کہ وہ رکوع کی حالت میں تھے اور حکم الہی کی تعمیل کا ایک نادر نمونہ پیش کرتے ہوئے اسی حالت میں وہ نئے قبلے کی جانب پلٹ پڑے۔

۵۔ آیات قبلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ متحرک امت کی خصوصیت میں شامل ہے کہ وہ ایک متحد امت ہوتی ہے، ہر وہ علم جو انسانیت کی منفعت میں ہوتا ہے اس میں وہ علمی سبقت رکھتی ہے، اس کے پاس تربیت اور تزکیہ کا اپنا ایک منہج ہوتا ہے کہ جس سے افراد، خاندان، معاشرے اور اداروں میں ایک متوازن ارتقاء ہوتا ہے، خواہ وہ روحانی پہلو سے ہو یا اخلاقی ،فکری، جسمانی اور

تہذیبی پہلو سے، اسی طرح متحرک امت کا اپنا ایک خاص نظام اور ایک مضبوط قیادت ہوتی ہے۔

۶۔ جامد امت کا عقیدہ فاسد ہوتا ہے، عقلیں جمود کا شکار ہوتی ہیں، دل سخت ہوتے ہیں، وہ محنت کی روٹی نہیں کھاتے اور اپنے ذہن و دماغ سے فیصلے نہیں کرتے۔

۷۔ جامد امت سے متحرک امت میں تبدیل ہونے کے لیے عمل کے ساتھ امید کا ہونا انتہائی ضروری ہے تاکہ قبلہ محض قولاً نہیں بلکہ عملاً بھی توحیدِ خالص کی ایک علامت بن جائے، یہ تمام اہل قبلہ کے درمیان وحدت اور الفت کا مرکز بن جائے، تکفیر کے رویے سے ہم باز آجائیں اور یہ قبلہ تمام اہل قبلہ کے درمیان امن و امان کی نشر و اشاعت کی ایک علامت بن جائے، اسی طرح یہ عقیدے، اخلاق اور شریعت میں وسطیت اور اعتدال کی ایک علامت بن جائے۔ اور ہم فرد کی حیثیت سے بھی اور قوم اور حکومت کی حیثیت سے بھی اپنے پہلے اور دوسرے قبلہ کی آزادی اور حفاظت کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ ہوں اور ان ذمہ داریوں کو ادا کریں۔

☆☆☆

ضمیمه

فلسطینی قوم کی مدد سے متعلق امت کے افراد کی ذمہ داری

الحمد لله الذی اعزنا بالاسلام، وهدانا للایمان، والصلوة والسلام علی سیدالمرسلین وقائد الغر المحجلین، وعلی التابعین ومن تبعهم باحسان الی یوم الدین۔ وبعد:

اس اہم ترین قضیہ پر میری گفتگو تین نکات کے تحت ہوگی:

(۱) عالمی منظر نامہ اور فلسطینی قوم کی دردانگیز صورتحال

(۲) ان کی مدد کے تعلق سے افراد امت کی ذمہ داری

(۳) نفس پر اعتماد کی حکمت عملی

عالمی منظر نامہ اور فلسطینی قوم کی دردانگیز صورتحال

گزشتہ صدی میں لاکھوں مسلمانوں کو قتل کیا گیا اور انہیں وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا گیا، اور اس کا علم کسی کو نہیں ہو سکا۔ وہاں نہ تو کوئی میڈیا تھا اور نہ ہی خبریں نشر کرنے کے لیے کوئی ریڈیو اور انٹرنیٹ۔ یہ واقعہ آج جدید دور کے علمی انقلاب کے بعد پیش آیا جب کہ یہ ممکن نہیں رہ گیا ہے کہ ایک پوری قوم کے ساتھ زیادتی، بربریت اور قتل وجلاوطنی کا معاملہ کیا جائے اور پورے عالم کو اس سے بے خبر رکھا جائے۔

ان خطرناک معلومات کے سلسلہ میں جو آج ہر شریف اور خوددار شخص کے سامنے ہیں،

ہماری ذمہ داریاں دوچند ہوجاتی ہیں۔

جب ہم حقائق کی دنیا میں قدم رکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ فلسطینی قوم نے اپنے کسی پڑوسی کے ساتھ زیادتی کا معاملہ نہیں کیا، نہ ہی کسی کو اس کی سرزمین سے ہجرت پر مجبور کیا، تاہم اسرائیل نے اس لڑائی کا بیج بویا اور تمام ہی عالمی قوتوں نے اس کی تائید کی، کیونکہ سارا عالم اسرائیل کے شر سے نجات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس طرح شرق اسلامی کو بالعموم اور فلسطینی قوم کو بالخصوص مصیبت میں ڈال دیا گیا، چنانچہ تیسرا حرم اور پہلا قبلہ اسیر ہوکر رہ گیا، وہ اللہ کے حضور ظالم صہیونیوں کی زیادتیوں کا شاکی ہے، ذیل میں خود امریکی ریسرچ سینٹرس کے بعض اعداد وشمار پیش کیے جارہے ہیں، واضح ہو کہ یہ اعداد وشمار کسی عرب ادارے کے ذریعہ نہیں تیار کیے گئے ہیں۔ یہ اعداد وشمار ۲۹/ستمبر ۲۰۰۰ء کی تحریک انتفاضہ کے بعد سے اب تک جو کچھ ہوا ہے اس کی تصویر پیش کرتے ہیں۔

(تفصیلات کے لیے دیکھیں:www.ifamericaknew.com)

(۱) ۲۲۷/فلسطینی بچوں کا قتل ہوا جبکہ ۱۲۱/اسرائیلی بچوں کا۔

(۲) ۳۸۷۰/فلسطینی مرد وعورت شہید ہوئے جبکہ ۱۰۸۴/اسرائیلی۔

(۳) ۲۹۷۶۸/فلسطینی شدید زخمی ہوئے جبکہ ۷۶۳۳/اسرائیلی۔

(۴) امریکہ روزانہ فلسطین کو ۲۳۳۲۹۰/ڈالر دیتا تھا جبکہ اسرائیل کو ابھی بھی ۱۵۱۳۹۱۷۸/غیر عسکری اور معاشی امداد کے نام پر سماجی خدمت کے نام پر دے رہا ہے۔

(۵) ۲۹/۹/۲۰۰۰ء کی تحریک انتفاضہ کے بعد سے اب تک کوئی اسرائیلی شخص قیدی نہیں بنا جبکہ ۹۴۹۲ فلسطینی اسرائیل کی قید میں ہیں۔

(۶) ایک بھی اسرائیلی مکان منہدم نہیں کیا گیا جبکہ ۴۱۷۰/فلسطینی مکان منہدم کردیئے گئے۔

(۷) اسرائیل میں فاقہ کشی ۸٪ سے ۹٪ فیصد تک ہے جبکہ فلسطین میں اسرائیل کی تشدد آمیز کارروائیوں کے نتیجہ میں فاقہ کشی ۲۴٪ سے ۳۱٪ فیصد تک ہے۔

(۸) ۲۰۰۳ء تک فلسطینیوں کی کوئی کالونی نہیں تعمیر ہوئی جبکہ مارچ ۲۰۰۱ء سے جولائی ۲۰۰۳ء تک ۶۵٪ اسرائیلی بستیاں آباد کی گئیں۔

یہ بعض امریکی اعداد وشمار تھے اسرائیل کی صورتحال کے متعلق جو کہ ایک قابض ملک ہے، ساتھ ہی ان لوگوں کے بھی حالات کا اس سے پتہ چلتا ہے جو اس سرزمین کے اصلی باشندے ہیں۔ اللہ رب العزت نے سچ کہا ہے: الَّذِيْنَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءهُمْ وَإِنَّ فَرِيْقاً مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُون (سورہ البقرہ: ۱۴۶) ترجمہ: ''جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ ان (پیغمبر آخرالزماں) کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانا کرتے ہیں مگر ایک فریق اُن میں سے سچی بات کو جان بوجھ کر چھپا رہا ہے''۔

گزشتہ دنوں الیکشن کی آزادی دی گئی، جس کے نتیجے میں فلسطینی قوم نے مکمل اعتماد کے ساتھ اپنی حکومت کا انتخاب کر لیا، تو اب ان کے اوپر سخت شکنجہ کسا جا رہا ہے، مقصد یہ ہے کہ فلسطینی قوم کے تعلقات خراب ہوں، وہ اختلافات اور جھگڑے کھڑے ہو جائیں جو صرف اور صرف صہیونیوں کے مفاد میں ہوں گے، اسی کے پشت میں یہ بھی مقصد ہے کہ فلسطینی قوم اور اس کی حکومت پر عرصہ حیات تنگ کر دیا جائے تاکہ وہ جھک جائیں یا بھوک کے مارے تڑپتے رہ جائیں۔ میں یہ کہوں گا کہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو امت اسلامیہ کے اوپر لازم قرار دیتا ہے، خواہ وہ افراد ہوں، معاشرے ہوں یا حکومت کہ فرد واحد بن کر کھڑے ہو جائیں اور باہم ایک دوسرے کی مدد اور تعاون کے لئے آگے بڑھیں، ایسا تعاون جس کی بنیاد نیکی اور تقوی ہو۔ وہ گناہ، معصیت اور اس اختلاف کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں جو قوم کے شیرازے کو پارہ پارہ کر دینا چاہتے ہیں۔

ان کی مدد کے تعلق سے افرادامت کی ذمہ داری

شرعی نصوص پر غور کرنے اور ارض فلسطین وعرب نیز عالم اسلام اور پھر پورے عالم انسانیت میں روز پیش آنے والے واقعات کا مطالعہ کرنے کے بعد میں یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ مسلمانوں پر شرعی طور سے واجب ہے، کہ افراد، اداروں، جماعتوں اور حکومتوں کی شکل میں وہ فلسطینی قوم کی مدد کریں، اوران کے ساتھ تعاون کا رویہ اختیار کریں۔ ذیل میں اس ضمن میں چند دلائل پیش ہیں:

(۱) قرآن میں انفاق کا حکم آیا اوراس کی ترغیب دی گئی نیز بخل اور کنجوسی کی مذمت کی گئی ہے، اس سلسلہ میں ۱۳۳/مقامات قرآن میں موجود ہیں، اس میں زکوۃ سے متعلق ۳۳/ مقامات مکی اور مدنی سورتوں میں موجود ہیں، اس میں سے باقی سومقامات انفاق سے متعلق عام صورتوں میں بیان ہوئے ہیں جن میں سے بعض میں مال خرچ کرنا (زکوۃ اور دوسرے اموال سے) واجب قرار دیا گیا ہے تاکہ عام اور خاص تمام ضروریات کے لیے کافی ہو، انفاق کی ترغیب کے سلسلہ میں یہ ایک اہم چیز ہے۔

(۲) قرآن مجید میں انفاق کی سب سے بڑی مد محتاج افراد کی کفایت ہے، اس کے سلسلہ میں مصارف انفاق میں اکیس جگہوں پر ترغیب آئی ہے، جب کہ جہاد کے لیے انفاق پر ترغیب دلانے کے لیے ۱۴/مقامات ہیں، اور فلسطینیوں پر دونوں چیزیں صادق آتی ہیں کہ وہ جہاد پر بھی ہیں اور محتاج بھی ہیں۔

(۳) میں نے اپنی تحقیق بعنوان 'سلطة ولی الامر فی فرض الوظائف المالیۃ' کے صفحات ۱۸۰/سے ۲۲۱/میں قرآن وسنت سے تیس سے زائد دلائل پیش کئے ہیں کہ مال میں واجب زکوۃ کے علاوہ بھی بہت سے حقوق ہیں،

جن کی ادائیگی کی جائے تو وہ اسلامی حکومت کے زیر انتظام رہنے والے جملہ مسلموں اور غیر مسلموں کی حاجت روائی کے لیے کافی ہو سکتے ہیں۔

(۴) قواعد شریعت بھی ہر ہر مسلم پر یہ واجب قرار دیتے ہیں کہ وہ فلسطینی بھائیوں کا تعاون اور مدد کریں، ان قواعد میں بعض درج ذیل ہیں:

ضرر کا ازالہ کیا جاتا ہے۔

عمومی ضرر کی وجہ سے مخصوص ضرر برداشت کیا جاتا ہے۔

شدید ترین ضرر کا ازالہ نسبتاً آسان ضرر کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔

جن چیزوں سے واجب کی تکمیل ہوتی ہے وہ بھی واجب ہیں۔

حاجی اور تحسینی امور ضروری امور کے لیے بطور خادم ہیں۔

ضروری امر میں خلل حاجی اور تحسینی پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔

جب دو افراد کسی دولت یا منفعت میں شریک ہوں اور انہیں اس بات کی ضرورت ہو کہ وہ کسی نقصان دہ چیز کا ازالہ کریں یا کسی منفعت کو باقی رکھیں تو ان میں سے ایک کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ دوسرے کی موافقت کرے۔

ان شرعی قواعد کا ذکر سیوطی یا ابن نجیم نے اپنی کتاب الاشباہ والنظائر اور شاطبی نے موافقات اور ابن رجب نے قواعد فقہیہ میں کیا ہے۔ یہ قواعد شریعت ہم پر واجب قرار دیتے ہیں کہ ہم فوری طور پر اپنے فلسطینی بھائیوں کی مدد کریں، کیونکہ یہاں جو نقصان درپیش ہے اس کے بارے میں سب کو معلوم ہے کہ اس سے اسلامی کاز پر اثر پڑے گا اور امت میں مایوسی کی روح عام ہو جائے گی۔ اسی کے ساتھ ساتھ واجب ہوتا ہے کہ جہاد فلسطین میں تعاون کیا جائے، مضبوط معنوی تعاون بھی اور مالی تعاون بھی تا کہ امت اپنے رب ذوالجلال کے حضور معذور قرار دی جا سکے۔

(۵) تمام مسالک کے علماء کرام، خواہ وہ قدیم مسالک ہوں کہ جدید، اس بات پر متفق ہیں کہ مال کا زائد حصہ محتاج اور مجبور افراد پر خرچ کرنا واجب ہے، قرطبی نے اپنی تفسیر (۲۲۵/۱) میں اس پر علماء امت کا اتفاق بیان کیا ہے، فقہ حنفی میں اس کا مطالعہ امام سرخسی کی کتاب 'المبسوط' (۲۴۔۲۹) اور الکاسانی کی کتاب 'بدائع الصنائع' (۱۸۸/۶) سے ممکن ہے۔ فقہ مالکی میں موطأ امام مالک (۱۷۱)، الباجی کی کتاب 'المنتقی' (۳۹/۶)، ابن المکی کی القواعد (۳۴/۲) اور شاطبی کی الموافقات (۹۷/۱) سے ممکن ہے۔ فقہ شافعی میں الجوینی کی کتاب الغیاثی میں ایک باب ہے المشرفین علی الضیاع فقرات (۳۳۷۔۳۴۲)، ماوردی کی احکام سلطانیہ (۱۸۳)، نووی کی المجموع (۳۲/۹)، شیرازی کی مغنی المحتاج (۳۰۸/۴)، فقہ حنبلی میں الفراء کی احکام سلطانیہ (۲۲۰)، ابن قدامہ کی المغنی (۶۰۲/۸، ۳۴۳/۱۱) زیدیہ کے یہاں ابن المرتضی کی شرح الازھار (۵۵۴/۲) ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ ان میں سے بہت سے فقہاء کے یہاں صریح عبارتیں موجود ہیں کہ بھوکوں، بیماروں اور حاجت مندوں کا یہ حق ہے کہ وہ ان لوگوں سے جنگ کریں جو ان کے اوپر انفاق نہ کرکے یا انفاق کے سلسلہ میں عدل نہ کرکے ان کو ان کے حق سے محروم رکھتے ہیں، اسی بات کی جانب اشارہ ہمارے استاذ علامہ یوسف القرضاوی نے بھی اوائل اپریل میں الجزیرہ سے نشر ہونے والے 'الشریعۃ والحیاۃ' کے خصوصی پروگرام '' فاقہ کشی سے دوچار لوگوں کے حقوق'' کے عنوان سے کیا تھا۔

(۶) امت کے بہت سے فقہاء یہ رائے رکھتے ہیں کہ افراد امت کے اوپر واجب ہے کہ اپنے ضرورت مند بھائیوں کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داریاں ادا کریں گرچہ زکوۃ سے زائد خرچ کرنا پڑے، مثال کے طور پر:

(الف) صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو دوسروں پر رحم نہیں کھاتا، اللہ اس پر رحم نہیں کھاتا ہے، اس پر ابن حزم نے حاشیہ لگایا کہ: جس شخص

کو بھی خوشحالی نصیب ہے، اور وہ اپنے مسلم بھائی کو کپڑے اور کھانے سے محروم دیکھتے ہوئے بھی اس کی مدد نہیں کرتا ہے تو سمجھ لو کہ بلاشبہہ اس نے اس کے اوپر رحم نہیں کھایا۔ (المحلی: ۶ / ۱۵۷)

(ب) ابن سعد نے الطبقات الکبری (۳/۳۱۶) میں بیان کیا ہے کہ عمر بن خطابؓ نے فرمایا: اگر میں دیکھوں کہ لوگوں کے پاس مال نہیں ہے اور وہ تنگی کا شکار ہیں تو میں تمام گھر والوں سے مال جمع کرالوں گا، پھر اسے وہ اپنے درمیان اپنے شکم کے بقدر تقسیم کر لیں گے حتی کہ اللہ تعالی انہیں زندگی سے نواز دے، کیونکہ اگر لوگ اپنے شکم کے بقدر لیں گے تو ہلاک نہیں ہوں گے۔

(ج) ماوردی نے الاحکام السلطانیہ (۱۸۳) میں ذکر کیا ہے کہ عمر بن خطابؓ نے ایک قوم کے اوپر ایک شخص کی دیت عائد کر دی تھی جو پیاس کی حالت میں فوت ہو گیا تھا کیونکہ اس نے ان سے پانی طلب کیا تھا اور انہوں نے دینے سے انکار کر دیا تھا اور اسی حالت میں وہ ہلاک ہو گیا تھا۔

(د) متقی ہندی نے کنزالعمال میں (حدیث نمبر: ۱۵۸۲۳)، ابن حزم نے المحلی (۶ / ۱۵۸) میں علی بن ابی طالبؓ سے روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: اللہ رب العزت نے مالداروں کے مال میں فقراء کا حق اس قدر متعین کیا ہے جو ان کے لیے کافی ہو جائے، اگر انہوں نے دینے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ وہ بھوکے رہ گئے یا بھوک سے ہار گئے تو اللہ ان کا سخت محاسبہ کرے گا اور ان کو سخت عذاب سے دوچار کرے گا۔

(ھ) امام الجوینی نے اپنی کتاب الغیاثی (ف: ۳۴۹) میں لکھا ہے کہ اگر ایک فقیر موت کا شکار ہو جائے، اس حال میں کہ مالدار اس سے واقف تھے تو وہ سب کے سب گنہ گار ہوں گے، اللہ تعالی قیامت کے روز ان سے دریافت کرے گا اور ان کا محاسبہ کرے گا۔

(و) ابن تغری نے النجوم الظاہرہ (۷/ ۷۲) اور ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ (۱۳ / ۲۱۵) میں عزبن عبدالسلام کا یہ اعلان ذکر کیا ہے کہ جب دشمن اسلامی ممالک پر یلغار

کریں تو مسلمانوں پر واجب ہوجاتا ہے کہ ان سے جنگ کریں اور جائز ہے کہ اس جہاد میں جو چیز بھی معاون ہو اس کو استعمال میں لائیں نیز اس بات کی جانب اشارہ کیا کہ ایسی صورت میں امراء کے اوپر سونے کے زیورات اور زرق برق چیزوں کو فروخت کردینا واجب ہوجاتا ہے تاکہ جہاد میں مسلمانوں کی ضرورتیں پوری کرسکیں۔

(ز) موجودہ زمانے کے علماء امت کا اتفاق ہے کہ ضرورت مندوں کے اوپر مال کا خرچ کرنا واجب ہے خواہ زکوۃ سے ہو یا اس سے زائد ہو، اس موضوع پر شیخ البہی الخولی نے اپنی کتاب الثروۃ فی ظل الاسلام (۱۹۳) میں، ڈاکٹر عبدالسلام العبادی نے الملکیہ فی الشریعہ الاسلامیہ (۲/۲۷۸) میں، ڈاکٹر محمد البلتاجی نے الملکیہ الفردیہ فی النظام الاقتصادی الاسلامی (۲۵۹) میں اور ڈاکٹر یوسف ابراہیم یوسف نے النفقات العامہ فی الاسلام (۱۱۲) میں اور استاذ یوسف القرضاوی نے فقہ الزکوۃ (۲/۹۶۱۔ ۹۹۲) میں بحث کی ہے۔

مذکورہ بالا دلائل سے مندرجہ ذیل احکام معلوم ہوتے ہیں:

۱۔ ہر مسلمان پر جو زکوۃ دینے کی استطاعت رکھتا ہے، اس پر واجب ہے کہ اپنی زکوۃ کا یا اس کے علاوہ دوسرے مال کا ایک حصہ اپنے فلسطینی بھائیوں کے لیے خاص کرے، کیونکہ کسی قوم کو پست کرنے کے بہت سے سیاسی اور انسانی پہلو میں یہ بھی ہے کہ اس کو بے یارومددگار بنا دیا جائے، حالانکہ صہیونیوں نے اس قوم کی سرزمین پر، جو ہمارے لیے بھی مقدس سرزمین ہے، قبضہ کرکے، اور ظلم و بربریت اور چیرہ دستی کے نتیجے میں پوری قوم کی عظمت کو روندنے کی کوشش کی ہے۔

۲۔ اگر امت کے مالدار افراد اپنی زکوۃ یا اس کا کچھ حصہ موجودہ صورتحال میں تبدیلی لانے کی غرض سے اس سال یا آئندہ سالوں میں دیتے رہے تو یہ ان کے لیے ریلیف کا سبب بنے گا اور رب کے نزدیک پسندیدہ عمل ہوگا، اور پیشگی زکوۃ حسن بصری، سعید بن جبیر، زہری، اوزاعی، ابوحنیفہ، شافعی، احمد، اسحٰق، اور ابوعبید سب نے جائز قرار دی ہے، مسلم کی اس حدیث کی بنیاد پر کہ

نبیؐ نے عباسؓ سے دوسال کا صدقہ پیشگی لے لیا تھا۔ ہمارے استاذ یوسف القرضاوی نے اپنی کتاب فقہ الزکوۃ (۲/ ۸۲۱ تا ۸۳۷) میں اس مسئلہ پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

۳۔ اگر ہم صدقہ فطر کو سامنے رکھیں جو ہر مسلمان پر واجب ہوتا ہے، خواہ نادار ہو یا مالدار، چھوٹا ہو یا بڑا، مرد ہو یا عورت تو ہم یہ کہیں گے کہ ان حالات میں واجب ہے کہ زمین پر بسنے والے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ کچھ نہ کچھ اپنے ان بھائیوں کے لیے خرچ کرے جن کا اسلام کے دشمنوں نے چہار جانب سے محاصرہ کر رکھا ہے۔

۴۔ جب مشرکین قریش کے پانچ افراد نبیؐ اور ان کے صحابہؓ کے بائیکاٹ سے متعلق کعبہ میں آویزاں صحیفہ کو پھاڑ سکتے ہیں، جیسا کہ ابن القیم نے زاد المعاد (۲/ ۴۶) میں اور ابن ہشام نے السیرۃ (۱/ ۳۵) میں اس کا ذکر کیا ہے، تو کیا امت مسلمہ میں ان پانچوں (ہشام بن عمرو، مطعم بن عدی، ابوالبختری بن ہشام، زمعہ بن الاسود اور زہیر بن امیہ البختری) کے جیسا کوئی نہیں ہے؟! کیا ان کی طرح غیرت مند، مالدار اور سیاسی دبدبہ رکھنے والا کوئی مسلمان نہیں ہے جو فلسطینی قوم کو اس حصار سے نجات دلا سکے؟!

۵۔ جب عربوں کی غیرت نے بنو ہاشم اور بنوالمطلب کے مشرکین کو اس بات پر آمادہ کر دیا کہ وہ اس بائیکاٹ میں نبیؐ اور ان کے صحابہؓ کے شانہ بشانہ اور ان کا تعاون کرتے ہوئے قدم سے قدم ملا کر کھڑے رہیں گے جیسا کہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے (۳/ ۵۲۹)۔ حتی کہ بچوں، عورتوں اور معصوموں کی بھوک کے سبب چیخیں نکل رہی تھیں۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ فلسطینی قوم کے مسلمان اور عیسائی کسی بھی پارٹی میں متحد ہو جائیں تاکہ ایک پوری قوم کو گھٹنے ٹیک دینے پر مجبور کرنے کی جو کوششیں جاری ہیں اس میں سب ایک صف رہیں۔ پوری فلسطینی قوم صف واحد ہو کر یہ نعرہ بلند کرے کہ 'بھوک فاقہ تو ممکن ہے پر گھٹنے ٹیکنا ناممکن ہے'۔ ان شاء اللہ رب ذوالجلال اس مصیبت سے جلد ہی نجات دلائے گا، جیسا کہ نبیؐ اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس بائیکاٹ

سے نجات دلائی اور اس کے بعد فوراً ہی فتوحات اور کامیابیوں کا دور شروع ہو گیا۔

نفس پر اعتماد کی حکمت عملی

جدید عالمی نظام پریشان حال لوگوں کی جو حصار بندی کر رہا ہے، اس کے سلسلہ میں بطور خاص اہل فلسطین اور عمومی طور سے تمام ہی عرب اور مسلم ممالک پر لازم ہے کہ وہ دو متوازی خطوط پر کام کریں:

ایک تو ریلیف ورک ہے جس سے آج کا (وقتی) مسئلہ دور کیا جائے، ملک بھر کے تمام گوشوں کے مزدوروں اور پریشان حال افراد کی تنخواہوں کا انتظام ہو اور اس قوم کی ضروریات پوری کی جائیں۔

دوسرا کام حفاظتی نوعیت کا ہے، اس سے مراد بے نیازی اور نفس پر اعتماد ہے، ایک معیشت کے تعلق سے جس کے لیے کافی طویل وقت درکار ہے، اس میں محض خرچ کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ تخلیقی کام مطلوب ہے، اس سلسلہ میں بھی بہت سے نصوص موجود ہیں، بخاری کی روایت ہے کہ نبیؐ نے فرمایا: ''تمہارا سب سے بہتر کھانا وہ ہے جو خود اس کے ہاتھ کی محنت سے تیار شدہ ہو، اللہ کے نبی داؤدؑ اپنی محنت کی کمائی سے کھاتے تھے'' (البخاری: ۱۹۳۰)۔

دنیا میں کوئی بھی حکومت اسی حکمت کے تحت چلتی ہے جس کا ذکر شیخ محمد الشعراویؒ نے کیا ہے: 'جس کا کھانا خود اس کی اپنی کدال سے تیار نہیں ہوتا، اس کا فیصلہ بھی اپنی عقل سے نہیں ہو پاتا'۔ ہمیں یہ بہترین شعار اختیار کرنا چاہئے کہ ہم اپنا بویا ہوا کھائیں گے، اپنا بنایا ہوا زیب تن کریں گے، ہر بھوکے کے سامنے ہم ایک جال پیش کریں گے نہ کہ مچھلیاں، اس طرح سے چیلنج مضبوطی اختیار کر جائے گا، اور امید قوی ہو جائے گی کہ امت ان مغربی سرکشوں کے غرور کے سامنے اپنا سر بلند کر سکے کہ جن کا مقصد ہے کہ بچوں اور بڑوں سب کو اپنی مصنوعات کا چورا اور بچا کچھا مال

کھلا کر ذلیل کریں، بلکہ ان بیکار چیزوں کو جن کو اپنے پاس رکھنا ایک بوجھ معلوم ہوتا ہے تو وہ ہماری جانب ایکسپورٹ کر دیتے ہیں تا کہ وہ ہمارے یہاں آ کر کھیتوں اور نسلوں کی تباہی کا کام انجام دیں۔

حقیقت میں یہ چیلنج بہت مشکل تو ہے پر ناممکن نہیں، بس ضرورت ہے بلند حوصلے پیدا کیے جائیں، بہادروں کی جیسی استقامت اور نیکوں کی سی شرافت اختیار کی جائے۔ ہمارے لیے ملیشیا کے تجربے میں ایک اچھا سبق ہے جس نے وہاں کی معیشت اور صنعت میں ایک مثالی انقلاب برپا کر دیا ہے۔ ہم ایک مشترک اسلامی مارکیٹ کی جانب پیش رفت کریں، اس کے لیے اس پروجیکٹ کا مطالعہ بھی ضروری ہے جس کا خواب نجم الدین اربکان نے اس وقت دیکھا تھا جب کہ وہ ترکی کے وزیر اعظم تھے کہ تمام ہی اسلامی صنعتی قوتوں کو یکجا کیا جائے اور ایک آزاد اسلامی معیشت کی بنیاد ڈالی جائے۔

☆☆☆

خلاصہ کلام

اول: اسرائیل نے اور اس کو تمام عالمی مغربی طاقتوں کا تعاون حاصل ہے، سرزمین اسراء اور معراج پر تسلط جما رکھا ہے، لاکھوں فلسطینیوں کو قتل اور بے گھر کر دیا ہے، ہزاروں گھروں کو منہدم کر دیا ہے اور ان سب کے پیچھے یہ ذہن کارفرما ہے کہ وہ امت کو زیر کر دیں اور اس امت کے پاس جو بھی ممالک ہیں ان کی حکومتوں اور قوموں کو ذلیل و پست کر دیں۔ تمام ہی عالمی اعداد وشمار اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ ان صہیونی درندوں کی جانب سے فلسطینی قوم کے اوپر جو ظلم وزیادتی ہوئی ہے، وہ بے حد وحساب ہے۔ گزشتہ دنوں جب پہلی مرتبہ فلسطینیوں کو حق خود ارادیت دیا گیا تو انہوں نے ایک اسلامی ذہن اور فکر رکھنے والی حکومت کا انتخاب کیا، اس کے نتیجے میں مغربی ممالک کی جانب سے جو کچھ بھی امداد ملتی تھی وہ سب روک لی گئی اور مغرب نے تمام ہی مالی اور معاشی اداروں کو ان کے ساتھ معاملات کرنے سے خبردار کر دیا، اس طرح ان کے درمیان ایک بھیانک کشمکش شروع ہوگئی، بہر حال اس سے یہ یقین ہوگیا کہ مغرب کی طرفداری ہمیشہ صہیونیوں ہی کے ساتھ رہے گی۔

دوم: جب کہ بیشتر عرب اور اسلامی حکومتیں فلسطینی بھائیوں کی مدد کرنے اور دشمنوں نے جو اقتصادی حصار بندی کر رکھی ہے اس کے خلاف آواز اٹھانے کے سلسلہ میں بے بس ہیں، ان مشرکین عرب کے رویے کے برخلاف جنہوں نے رسولؐ اور صحابہؓ کے خلاف ہونے والی حصار بندی کے تعلق سے اختیار کیا تھا۔ لہذا افراد امت پر قطعی طور سے لازم آتا ہے کہ ان کی ممکنہ مدد اور تعاون کریں اور ایسا کرنے سے ان کو اللہ اجر عظیم سے نوازے گا اور اگر وہ ان فلسطینی

بھائیوں کی بقدر ضرورت کفالت نہیں کرتے ہیں تو ان سب کے اوپر اس کا وبال آئے گا۔ اس سلسلہ میں ۱۳۳ رسے زائد آیات قرآنی اور احادیث نبویہ موجود ہیں جو صحیح بھی ہیں اور صریح بھی ہیں کہ ہر محتاج کی مدد کرنا واجب ہے، بہت سے معاصر اور قدیم فقہاء کے اقوال سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، اسی طرح پیشگی زکوۃ بھی جائز ہے، ساتھ ہی صدقہ فطر سے بھی استئناس ممکن ہے کہ جو ہر فقیر ومحتاج، بڑا چھوٹا خرچ کرتا ہے، الغرض زمین پر بسنے والا ہر فردِ مسلم اہل فلسطین کی مدد کرے اور مسلمانوں اور غیر مسلموں میں سے غیرت مند افراد کو کوشش کرنی چاہئے کہ اس حصار کو توڑنے کی کوشش کریں جیسا کہ نبیؐ کے معاملہ میں قریش کے بعض شریف اور غیرت مند افراد نے کیا تھا جب کہ انہوں نے نبیؐ اور ان کے صحابہؓ کے اس اقتصادی بائیکاٹ کے خاتمے کی کوششیں کیں اور اس کے خاتمے کا اعلان کیا۔ اسی طرح سے تمام ہی فلسطینیوں کے اوپر لازم ہے کہ وہ ہر چہار جانب سے ہونے والی عالمی سازشوں کا مقابلہ کرنے کے لیے متحد ہو جائیں۔

سوم: ایک قلیل مدتی ذمہ داری ہے کہ مریضوں اور ضرورتمندوں کے ریلیف کا سامان کیا جائے اور وہاں کے سخت جاں مزدوروں اور کارندوں کی تنخواہ کا مسئلہ حل کیا جائے، اسی کے ساتھ ساتھ ایک طویل مدتی کام بھی ہے کہ ایک آزاد صنعت پروان چڑھائی جائے اور اس سلسلہ میں ملیشیا اور دیگر اسلامی پروجیکٹس کو نظر کے سامنے رکھا جائے جن کا مقصد ہے کہ امت کو بنیادی ضروریات کی تکمیل اور دوسرے امور کے سلسلہ میں غیروں پر انحصار سے آزادی دلاسکیں۔

چہارم: یہ امت کی ایک عمومی ذمہ داری ہے کہ ہر مسلمان یہ خواب دیکھے اور اس خواب میں حقیقت کا رنگ بھرنے کی کوشش کرے کہ وہ قبلہ اول، تیسرے حرم اور اسراء کے مقام کو غاصب صہیونیوں کے تسلط سے آزاد کرانے کی جدوجہد میں شریک رہے گا، کہ یہ تمام ہی مسلمانوں کہ ذمہ داری ہے خواہ وہ حاکم ہوں یا محکوم۔ **ھذا واللہ اعلی واعلم۔**

☆☆☆